ماہنامہ حیدرآباد

صدائے شبلی

Monthly Hyderabad

SADA E SHIBLI

ستمبر Sep 2023 جلد: Vol: 6 شمارہ: Issue: 67

ISSN: 2581-9216

مدیر:

ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

نائب مدیران:

ڈاکٹر عبدالقدوس

ڈاکٹر سراج احمد انصاری

ابو ہریرہ یوسفی

قیمت فی شمارہ:	**-/20**
سالانہ:	**-/220**
رجسٹرڈ ڈاک:	**-/350**
بیرونی ممالک:	**-/50** امریکی ڈالر
خصوصی تعاون:	**-/2000**

SADA E SHIBLI
A/c: 1327102000023922
Ifsc: IBKL0001327
IDBI Bank: CHARMINAR HYD, T.S

Email: sadaeshibli@gmail.com

Mob: 9392533661 - 8317692718

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد میں مقالہ نگاران سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

مجلس مشاورت:

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی۔ پروفیسر مظفر علی شہ میری
پروفیسر محسن عثمانی ندوی۔ پروفیسر ابوالکلام
پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی۔ ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی
مفتی محمد فاروق قاسمی۔ مولانا ارشاد الحق مدنی
مولانا محمد مساعد ہلال احیائی
اعجاز علی قریشی ایڈوکیٹ۔ محمد سلمان انجینئر

مجلس ادارت:

ڈاکٹر محمد رفیق۔ ڈاکٹر حمران احمد۔ ڈاکٹر ناظم علی
ڈاکٹر مختار احمد فردین۔ ڈاکٹر غوثیہ بانو
ڈاکٹر سید امام حبیب قادری۔ ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی
ڈاکٹر سمیہ تمکین۔ ڈاکٹر صالحہ صدیقی۔ ڈاکٹر نوری خاتون
ڈاکٹر فاروق احمد بھٹ۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان
ڈاکٹر آصف لئیق ندوی۔ ڈاکٹر مظفر علی ساجد۔
مولانا عبدالوحید ندوی۔ مولانا احمد نور عینی
ابو ہریرہ ایوبی۔ محسن خان

ہر طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف حیدرآباد کی عدالت میں ہوگی

محمد محامد ہلال (اونر، پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر) نے دائرہ الیکٹرک پریس میں چھپوا کر حیدرآباد تلنگانہ سے شائع کیا

خط و کتابت کا پتہ

MOHD MUHAMID HILAL #17-6-352,
B1, 2nd Floor,Bafana Complex,
Dabirpura Road, Purani Haveli,
Hyderabad- 500023. T.S

فہرست مضامین

۱	اپنی بات	ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۵
۲	اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ شبلی نعمانیؒ	۶
۳	دبستان شبلی کے چند ناموروں کی نادر تحریریں	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	۷
۴	دینِ فطرت	مولوی حبیب الرحمٰن	۱۷
۵	اللہ ہی قرآن کی حفاظت کریں گے	ایس۔ایم۔عارف حسین	۲۰
۶	تشکیل صالح معاشرے کے لیے محولہ ذمہ داریاں نبھانا از حد ضروری	ڈاکٹر ابوزاہد شاہ سید وحید اللہ حسینی	۲۱
۷	**گردش**	سید عظمت اللہ بیابانی	۲۴
۸	**دُھوم**	نیاز جیراجپوری	۲۶
۹	ندائے وقت	خیر النساء علیم	۲۷
۱۰	یومِ اساتذہ مبارک باشد	عروسہ عرشی	۲۸
۱۱	مرزا محمد امین کی ادبی شخصیت اور ان کی خمسہ نویسی کا ایک مطالعہ	مبین احمد و ڈاکٹر محمد رضوان	۲۹
۱۲	**نظم**	محمد یاسین ہابیل	۳۲
۱۳	تبسم فاطمہ کے افسانوں کا تنقیدی جائزہ	تنظیم فاطمہ	۳۳
۱۴	**جمیلہ** (افسانہ)	ڈاکٹر ولاء جمال العسیلی	۳۶
۱۵	**غزل**	جہانگیر قیاس	۳۸
۱۶	**خبر**	ادارہ	۳۹
۱۷	رپورتاژ	ڈاکٹر نادرؔ المسدوسی	۴۰

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' کے خصوصی معاونین

جناب **ابوسفیان اعظمی**، مقیم حال ممبئی

جناب **محمد یوسف** بن الحاج محمد منیر الدین عرف ولی مرحوم، حیدرآباد

مفتی **محمد فاروق قاسمی**، صدر علماء کونسل وجے واڑہ، آندھرا پردیش

ڈاکٹر **سید جلیل حسین ایم ڈی** (علیگ) ٹولی چوکی حیدرآباد

مولانا **منصور احمد قاسمی**، معین آباد، تلنگانہ

الحاج **رئیس احمد اقبال**، انجینئر صدر سہارا ویلفیئر سوسائٹی، حیدرآباد

الحاج **محمد زکریا** انجینئر (داماد استاذ الاساتذہ حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ)

ڈاکٹر **شہباز احمد**، پروفیسر گورنمنٹ نظامیہ طبی کالج چارمینار، حیدرآباد

مولانا **محمد عبدالقادر سعود**، نائس جوس سینٹر سکندرآباد، حیدرآباد

الحاج **محمد قمرالدین**، نبیل کالونی بارکس حیدرآباد

الحاج **محمد عبدالکریم**، صدر مسجد اشرف کریم کشن باغ، حیدرآباد

اپنی بات

کسی اہم کام کی کامیابی کا دارومدار اس کی منصوبہ بندی، غیر معین یا متعین وقت کی پابندی، ماہر افراد کی شمولیت، کافی وافر مقدار میں دولت، پر منحصر ہے، ماہ اگست 2023-23 کی شام 6 بجکر چار منٹ پر جو ہمارے ملک کے سائنسدانوں نے چاند کے جنوبی حصہ پر چندریان 3 لینڈنگ کر کے جو ناقابل فراموش کارنامہ انجام دیا ہے یہ پوری دنیا میں ہمارے ملک کی توقیر اور عظمت کا باعث ہے۔ اس مشن میں شامل افراد پورے ملک کی طرف سے مبارک بادی کے مستحق ہیں۔ نہ صرف مبارک بادی بلکہ مرکزی حکومت، صوبائی حکومتوں اور ملک کے بڑے بڑے مالداروں پر اخلاقی اور قومی فریضہ بنتا ہے کہ ان کی طرف سے اس مشن میں شامل تمام افراد کی تہنیت کی جائے اور انھیں ایسے انعامات واعزازات سے نوازا جائے تاکہ انھیں صدیوں تک یاد رکھا جائے، اور وہ موجودہ دور اور آنے والی نسلوں کے لیے آئیڈیل بن سکیں۔

ہمارے ملک میں لوک سبھا کا الیکشن قریب ہے، دو بڑی چھوٹی ہم خیال جماعتوں میں بڑا ٹکراؤ نظر آتا ہے۔ ایک جماعت نے اپنا نام انڈیا رکھ لیا ہے اور اس نام کو لے کر موجودہ حکومت کی خامیوں اور ناکامیوں پر حملہ کر رہی ہے۔ ہمارے ملک کی نامی پہچان ہمارے ملک سے باہر نامِ انڈیا سے ہوتی ہے۔ اور ہزاروں پروجیکٹ اور تقریباً سبھی کاغذات پر انڈیا لکھا جاتا رہا ہے۔ انڈیا، بھارت، ہندوستان، ہند ہمارے ملک کے اِن ناموں میں پر اثر معنویت ہے، بالخصوص قومی یکجہتی کی مثال پیش کی جاتی رہی ہے۔ ہمارا ملک مختلف پھولوں اور پھلوں کا گلدستہ ہے مگر چند ناسمجھ عناصر اس ملک کے کچھ اہم پھولوں کو پھولنے اور پھلوں کو لگنے نہیں دے رہے ہیں۔ اس پر اگر بھرپور توجہ کی جائے تو اس سے ملک کی مزید تر قیاتی نتائج عروج پر دکھائی دیں گے۔

رواں ماہ میں سابق صدر جمہوریہ ڈاکٹر رادھا کرشنن صاحب کی ۵/ستمبر یومِ پیدائش کے موقع پر پورے ملک میں یومِ اساتذہ منایا گیا، یقیناً اساتذہ مستقبل کے معمار ہوتے ہیں مگر یہ ضروری ہے کہ طلباء وطالبات اور ان کے اولیاء انھیں اساتذہ سمجھیں اور ان کی قدر ومنزلت کریں اور اسی طرح اساتذہ کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی ذمّہ داری کا احساس رکھیں۔ مگر.....

آئے دن قتل اور منشیات کی خبر سننے اور پڑھنے میں آتی ہے اس کی وجہ جو بھی ہو مگر معاشرہ اس سے تباہ ہو رہا ہے۔ اخلاقی دعوتی پروگرام اور عملی کام سے اس میں کمی کی جاسکتی ہے۔ معاشرہ میں حُب جاہ حُب مال نے سودی کاروبار، قتل کی واردات، ڈرگ، شراب اور جوا وغیرہ کو بڑھاوا دے رہا ہے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ ان ہی سب سے زوال آتا ہے ؎

رقص ونغمہ شراب عیش ونشاط
ان دریچوں سے جھانکتا ہے زوال

خداوند قدوس ہم سب کو بُری عادتوں اور کاموں سے بچائے۔ (آمین)

محمد محامد ہلال اعظمی

اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ شبلی نعمانیؒ

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے مزاج میں کسی قدر تعلّی تھی اور وہ اپنے آپ کو غریبوں سے بالاتر سمجھتے تھے، آپ ﷺ نے ان کی طرف خطاب کر کے فرمایا ''تم کو جو نصرت اور روزی میسر آتی ہے وہ ان ہی غریبوں کی بدولت آتی ہی ہے''۔

اسامہؓ بن زید سے فرمایا ''میں نے درِ جنت پر کھڑے ہو کر دیکھا کہ زیادہ غریب مفلس ہی لوگ اس میں داخل ہیں''۔

عبداللہ بن عمروؓ بن العاص روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں مسجد نبویؐ میں بیٹھا تھا اور غریب مہاجر لوگ حلقہ باندھے ایک طرف بیٹھے تھے، اس اثنا میں آپ ﷺ تشریف لے آئے اور ان ہی کے ساتھ مل کر بیٹھ گئے، یہ دیکھ کر میں بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا آپ ﷺ نے فرمایا ''فقرائے مہاجرین کو بشارت ہو کہ وہ دولت مندوں سے چالیس برس پہلے جنت میں داخل ہوں گے''۔ عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ ''میں نے دیکھا کہ یہ سن کر ان کے چہرے خوشی سے چمک اٹھے اور مجھے حسرت ہوئی کہ کاش میں بھی ان ہی میں ہوتا''۔

ایک دفعہ آپ ﷺ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے، اس اثنا میں ایک شخص سامنے سے گذرا، آپ ﷺ نے اپنے پہلو کے ایک آدمی سے دریافت فرمایا کہ ''اس کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے؟'' اس نے جواب دیا کہ یہ امراء کے طبقہ میں سے ایک صاحب ہیں، خدا کی قسم یہ اس لائق ہے کہ اگر رشتہ چاہے تو کیا جائے اور اگر کسی کی سفارش کرے تو قبول کی جائے''۔

یہ سن کر آپ ﷺ خاموش ہو گئے، کچھ دیر کے بعد ایک اور صاحب اسی راہ سے گذرے، آپ ﷺ نے پھر اس سے استفسار فرمایا کہ ''اس کی نسبت کیا کہتے ہو؟ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! یہ فقرائے مہاجرین میں سے ہے اور اس لائق ہے کہ اگر رشتہ چاہے تو واپس کر دیا جائے اور سفارش کرے تو رد کر دی جائے، اگر کچھ کہنا چاہے تو نہ سنا جائے'' ارشاد ہوا کہ ''تمام روئے زمین میں اگر اس امیر جیسے آدمی ہوں تو اس سے یہ ایک غریب بہتر ہے''۔

آنحضرت ﷺ اکثر دعا میں فرماتے تھے ''خداوندا! مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین اٹھا اور مسکینوں ہی کے ساتھ میرا حشر کر''۔ حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا، یا رسول اللہ ﷺ! یہ کیوں؟ فرمایا ''اس لیے کہ یہ دولت مندوں سے پہلے جنت میں جائیں گے'' پھر فرمایا اے عائشہ! کسی مسکین کو اپنے دروازہ سے نامراد نہ پھیرو، گو چھوہارے کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، اے عائشہؓ! غریبوں سے محبت رکھو اور ان کو اپنے سے نزدیک کرو تو خدا بھی تم کو اپنے سے نزدیک کرے گا''۔

ایک دفعہ چند غریب مسلمانوں نے آ کر خدمتِ اقدس میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! امراء ہم سے درجۂ اُخروی میں بھی بڑھتے جاتے ہیں، نماز، روزہ جس طرح ہم کرتے ہیں، وہ بھی کرتے ہیں، لیکن صدقات وخیرات سے جو نیکیاں ان کو ملتی ہیں، ان سے ہم محروم ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا ''کیا میں تم کو وہ بات نہ بتاؤں جس سے تم اگلوں کے برابر ہو جاؤ اور پچھلوں سے بڑھ جاؤ اور پھر کوئی تمہاری برابری نہ کر سکے'' عرض کی ہاں یا رسول اللہ! بتایئے ''ارشاد ہوا ہر نماز کے بعد ۳۳، ۳۳ دفعہ **سبحان اللّٰہ** اور **الحمدُ للّٰہِ**، **اللّٰہ اکبر** پڑھ لیا کرو کچھ دن کے بعد یہ وفد پھر حاضر خدمت ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! ہمارے دولت مند بھائیوں نے بھی وظیفہ سن لیا اور پڑھنا شروع کر دیا، فرمایا: **ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ** (الجمعۃ ۶۲:۴) یعنی یہ خدا کی دین ہے جس کو چاہے دے۔ (سیرۃ النبیؐ، جلد: دوم، ص: ۲۹۵-۲۹۶)

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی۔اعظم گڑھ

دبستان شبلی کے چند ناموروں کی نادر تحریریں

دبستان شبلی کے اہل قلم اور مصنّفین کا دائرہ کار بہت وسیع اور متنوع ہے ،جس میں مختلف علوم وفنون شامل ہیں اور جس طرح ان کا دائرہ تصنیف وتالیف وسیع اور متنوع ہے اسی طرح ان کے موضوعات میں بھی وسعت ،تنوع ،طرفگی اور جامعیت پائی جاتی ہے۔گودارالمصنّفین اوراس کے رفقاء ومصنّفین پر متعدد کتابیں اور تحقیقی مقالات قلم بند کئے گئے ہیں،مثلاً دارالمصنّفین کی ادبی خدمات،دارالمصنّفین کی تاریخ اورعلمی خدمات (از: پروفیسر خورشید نعمانیؒ)، دارالمصنّفین کی تاریخی خدمات (محمد الیاس الاعظمی)، دارالمصنّفین کی عربی خدمات (ڈاکٹر محمد عارف عمری)، دارالمصنّفین کے سو سال (مولانا کلیم صفات اصلاحی) وغیرہ، تاہم دبستان شبلی بالخصوص دارالمصنّفین کے علمی وتحقیقی کارناموں کے جس تفصیل اور تسلسل کے ساتھ مفصل مطالعہ وجائزہ کی ضرورت ہے وہ اب تک انجام نہیں پاسکا ہے ۔ اور اس کے متعدد پہلواور گوشے اب بھی تشنۂ تکمیل ہیں۔ضرورت ہے کہ اس کی طرف خاطر خواہ توجہ دی جائے۔

زیرنظر مقالہ اس سلسلہ کی سعی نہیں ہے بلکہ اس میں دبستان شبلی کے چندرفقاء ومصنّفین کی چند نادر ونایاب تحریریں جومطالعہ کے دوران ہاتھ آئیں اور جو بڑی اہمیت کی حامل ہیں،ان کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔اس تعارف کا ایک مقصدان نوادرات کا تحفظ بھی ہے۔اور بلاشبہ یہ تحریریں ان اہل قلم کی شخصیت کو سمجھنے میں معاون ہوں گی۔اس مقالہ میں جن اشخاص کی نادر تحریروں کا تعارف پیش کیا گیا ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔مولانا عبدالسلام ندوی،۲۔علامہ اقبال احمد خاں سہیلؔ، ۳۔مولانا سعید انصاری،۴۔ مرزا احسان احمد، ۵۔ مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی،۶۔مولانا سید ریاست علی ندوی۔

مولانا عبدالسلام ندوی

مولانا عبدالسلام ندوی (۱۸۸۴-۱۹۵۶ء) علامہ شبلی نعمانی (۱۸۵۷- ۱۹۱۴ء) کے نامور شاگرد اور اردو کے مایہ ناز ادیب وانشاپرداز ہیں۔ان کے قلم سے ایک درجن سے زیادہ بلند پایہ علمی وتحقیقی کتابیں نکلیں اور شائع ہوئی ہیں۔ان میں اسوۂ صحابہؓ وصحابیاتؓ،اقبال کامل،ابن خلدون،حکمائے اسلام،تاریخ اخلاق اسلامی ،ابن یمین، فطرت نسوانی اور فقرائے اسلام وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ تصنیفات دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی ،صوفی اینڈ کمپنی پنڈی بہاء الدین گجرات اور بعض دوسرے اداروں مولانا عبدالسلام ندوی فاؤنڈیشن ممبئی سے شائع ہوئی ہیں۔

مولانا عبدالسلام ندوی ماہنامہ الندوہ، الہلال، اور معارف جیسے اہم رسائل وجرایدسے وابستہ رہے اور مختلف موضوعات پر سیکڑوں مضامین ومقالات لکھے۔ان کے ادبی مضامین کا ایک مجموعہ ’’مقالات عبدالسلام‘‘ دارالمصنّفین اعظم گڑھ نے شائع کیا ہے۔دوسرے موضوعات پر ابھی اور بھی مجموعے شائع ہوسکتے ہیں،اور بلاشبہ وہ بڑے اہمیت کے

حامل ہوں گے۔

مولانا عبدالسلام ندوی کی سیرت وشخصیت اور کار ناموں پر کئی علمی وتحقیقی مقالات شائع ہو چکے ہیں۔ان میں پروفیسر کبیر احمد جائسی (۱۹۳۷ء - ۲۰۱۳ء) کی کتاب ''عبد السلام ندوی''، ڈاکٹر شباب الدین صاحب کا مقالہ برائے پی ایچ ڈی ''عبدالسلام ندوی کی ادبی خدمات'' اور ڈاکٹر گلشن طارق کا تحقیقی مقالہ ''عبدالسلام ندوی کی ادبی خدمات تنقید کے حوالے سے'' خاص طور پر اہمیت کے حامل ہیں۔سب سے آخر میں ناچیز کی کتاب ''یگانہ روزگار مولانا عبد السلام ندوی'' ادبی دائرہ اعظم گڑھ سے ۲۰۱۴ء میں شائع ہوئی۔

محمد ہارون اعظمی مرحوم سابق پرنسپل صابو صدیق پالی ٹیکنک کالج ممبئی نے عبدالسلام ندوی فاؤنڈیشن قائم کر کے ان پر کئی سمینار منعقد کئے اور مولانا مرحوم کے مجموعہ مقالات بھی شائع کئے۔علاوہ ازیں مولانا عبدالسلام ندوی کے مفصل اور طویل مضامین کے کئی مجموعے اہل علم سے مرتب کرا کے شائع کئے۔اس موقع پر ہمارے کرم فرما اور نامور اشاریہ ساز ڈاکٹر محمد ضیاء الدین انصاری (۱۹۴۲ - ۲۰۰۶ء) نے ''آثار عبدالسلام'' کے نام سے ایک اشاریہ مرتب کیا جو ''مقالات مولانا عبدالسلام ندوی سمینار'' میں شائع ہوا ہے اور جس میں مولانا عبدالسلام ندوی کی تصنیفات وتالیفات، مضامین و مقالات اور ان پر لکھی جانے والی کتب اور دیگر تحریروں کی تفصیلات یکجا کی گئی ہیں۔اس اشاریہ کی اشاعت اور اس کے مندرجات سے مختلف متعدد تحریریں ناچیز کو دوران مطالعہ ہاتھ آئیں، جن کے تعارف وتذکرے پر مشتمل راقم کے بعض مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ان میں مولانا مرحوم کے بعض نایاب رسائل، بعض نادر غزلوں اور غیر مدون تحریروں کا ذکر ہے۔ گذشتہ دنوں راقم کو مولانا عبدالسلام ندوی کی ایک اور نادر تحریر جو خود انہی کے متعلق ہے ''بوستان قلم'' مرتبہ محمد عبداللہ خاں خویشگی (مطبوعہ کراچی: ۱۹۶۲ء) سے دستیاب ہوئی۔وہ تحریر درج ذیل ہے:

''میں سنہ ۱۳۰۰ھ میں ضلع اعظم گڑھ کے ایک گاؤں میں جس کا نام علاء الدین پٹی ہے پیدا ہوا۔ابتدائی تعلیم اپنے دروازے پر ایک مکتب میں حاصل کی۔پھر دو برس تک اپنے خسر (مولوی عبداللہ چاند پاروی) سے تعلیم حاصل کی اور قدیم طرز پر فارسی کی تمام درسی کتابیں پڑھیں۔

۱۸۹۷ء میں اپنے ایک عزیز (مولوی محبوب الرحمٰن کلیم) کے ساتھ کانپور گیا اور وہاں عربی شروع کی۔ پھر تین برس کے بعد انہی کے ساتھ آگرہ گیا اور وہاں بھی دو برس تک عربی پڑھتا رہا۔وہاں سے غازی پور آیا اور اپنے ایک عزیز (مولوی بخشش احمد) سے جو مدرسہ چشمہ رحمت غازی پور میں مدرس تھے ملا حسن وغیرہ تک عربی پڑھی۔ اس کے بعد غالباً ۱۹۰۵ء میں دارالعلوم ندوہ لکھنو میں آیا اور وہیں علوم عربیہ سے فراغت حاصل کی۔

یہیں سے میری مضمون نگاری کا سلسلہ شروع ہوا۔ پہلا مضمون تناسخ پر لکھا جس کو مولانا شبلی مرحوم نے جو اس وقت دارالعلوم کے معتمد تھے، بہت پسند کیا۔ پانچ روپیہ انعام دیا اور ایک تعریفی نوٹ کے ساتھ ''الندوہ'' میں شائع کیا۔اس کے بعد الندوہ میں متعدد مضامین لکھے اور فراغت کے بعد اس کا اسسٹنٹ ایڈیٹر مقرر ہو گیا۔ پھر ۱۹۱۲ء میں مولانا شبلی مرحوم نے سیرت لکھنی شروع کی تو اس کے دفتر سے فراہمی معلومات کے لئے میرا تعلق ہو گیا اور تقریباً دو برس تک قائم رہا۔اسی حالت میں مجھ کو مولانا ابوالکلام آزاد نے کلکتہ بلا لیا اور چار پانچ مہینے تک میرا قیام کلکتہ میں رہا اور میں مسلسل ''الہلال'' میں مضامین لکھتا رہا۔اسی اثنا میں یورپ کی جنگ عظیم چھڑ گئی

اور ''الہلال'' بند ہو گیا۔
مولانا شبلی مرحوم نے ۱۸؍نومبر ۱۹۱۴ء کو انتقال کیا اور ان کی یادگار میں دارالمصنّفین قائم ہوا تو مولانا سید سلیمان ندوی نے مجھ کو دارالمصنّفین بلا لیا اور اس وقت سے آج تک میرا قیام دارالمصنّفین میں ہے۔
اس وقت تک ان متفرق مضامین کے علاوہ جو معارف میں شائع ہوئے ،میری تصنیفات میں انقلاب الامم، شعرالہند(دوجلد)،اسوۂ صحابہ(دوجلد)،تاریخ اخلاق اسلامی،ابن خلدون، تاریخ فقہ اسلامی، سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ شائع ہو چکی ہیں اور سوانح امام رازی، تاریخ اسلامی تمدن ہند،تاریخ اخلاق اسلامی حصہ دوم،اور شعرالعرب کے مسودات غیر مطبوعہ موجود ہیں۔'' (۱)

مولانا عبدالسلام ندوی نے یہ تحریر ۱۹۴۲ء میں لکھی تھی، اس لحاظ سے یہ ان کی ایک قدیم تحریر ہے۔اس کا حوالہ مولانا مرحوم پر لکھی جانے والی کتب میں بلکہ کسی مقالے یا تحریر میں اب تک ناچیز کو نظر نہیں آیا۔اس کی ایک اہمیت یہ بھی ہے کہ اس میں مولانا مرحوم نے اپنے دور طالب علمی کے بعض ادوار کی تاریخوں کی تعیین کی ہے،مثلاً وہ اپنے بہنوئی اور ممتاز شاعر و مورخ مولوی محبوب الرحمٰن کلیم (۱۸۶۴-۱۹۲۵ء) کے ساتھ ۱۸۹۷ء سے ۱۸۹۹ء تک کان پور میں اور اس کے بعد دو سال آگرہ کی جامع مسجد میں زیر تعلیم رہے۔اس دور طالب علمی کے سنہ کی تعیین ان کے کسی سوانح نگار نے نہیں کی ہے۔ ان کی اس تحریر سے کان پور اور آگرہ دونوں مقامات پر ان کے قیام اور تعلیم حاصل کرنے کی مدت معلوم ہو جاتی ہے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۹۰۱ء میں مدرسہ چشمہ رحمت غازی پور گئے۔اسی طرح ان کی ابتدائی تعلیم گاؤں کے جس مکتب میں ہوئی وہ ان کے گھر کے سامنے واقع تھا۔بعض اور پہلوؤں کی بھی صراحت خود ان کے اپنے قلم سے ہوتی ہے، اس لئے یہ ایک اہم اور مستند تحریر کا درجہ رکھتی ہے۔

مولانا مرحوم کی دوسری تحریر جو ہاتھ آئی ہے وہ مذکورہ بالا تحریر سے بھی قدیم ہے۔اس سے پہلی بار یہ علم ہوتا ہے کہ مولانا عبدالسلام ندوی نے ایک تحریر ادب اطفال سے متعلق بھی لکھی تھی۔یہ تحریر مولوی قاضی عبدالرحمٰن حیرتؔ سکنڈ مولوی جارج ہائی اسکول اعظم گڑھ کے رسالہ ''اپر پرائمری ریڈر مسمی بہ گلدستہ تہذیب'' (مطبوعہ: معارف پریس، ۱۹۲۲ء) میں شامل ہے، جو درج ذیل ہے:

(۹)

اطاعت

غریب۔ صحرا۔ ملازمت۔ اجداد۔
اطاعت گذار۔ کوفت۔

۱۔اطاعت،معنی حکم ماننے کے ہیں۔بچو! سب سبقوں میں جو ضروری سبق بچپن میں سیکھنا چاہئے ''اطاعت'' ہے۔ اطاعت کتنی عجیب وغریب چیز ہے ،صحرا میں جانوروں کو دیکھ کر کسی کے خیال میں نہ آتا ہوگا کہ ان بے زبانوں کو انسان کے گھروں جگہ ملے گی لیکن ہاتھی،اونٹ،گھوڑے، گدہے، ہرن، بلکہ شیر اور چیتے تک انسان کو محبوب ہیں،کیوں؟ صرف اس لئے کہ وہ ان کی خدمت کرتے ہیں اور ان کے اشاروں پر چلتے ہیں۔
۲۔پھر کیا انسان جانوروں سے بھی کم ہے کہ اطاعت اس کو محبوب نہ بنائے ،غربت ملازمت ،عہدہ،سب کچھ اسی کو ملتا ہے جو اپنے آبا، اجداد، آقا کا اطاعت گذار ہوتا ہے۔اور ان کے آگے سر جھکاتا ہے۔
۳۔کتنا خوش نصیب ہے وہ گھر جہاں چھوٹے بڑوں کی اطاعت کرتے ہیں اور کتنا بدنصیب ہے وہ خاندان جہاں اطاعت کا جلوہ نظر نہیں آتا،ان میں محبت اور یگانگی نہیں ہوتی اور سب کے دن کوفت میں گذرتے ہیں۔

۴۔ جولڑکے ماں باپ، استاد کا کہا مانتے ہیں ان کو سلامتی نصیب ہوتی ہے، جو استاد کی بات سنتے ہیں، ان کو علم وہنر میں سب کچھ آتا ہے، لیکن جو بچے شتر بے مہار کی طرح اپنا راستہ خود اختیار کرتے ہیں وہ کتنے ہی تیز اور چالاک ہوں لیکن ان خوبیوں سے محروم رہتے ہیں۔(۲)

ادب اطفال سے متعلق اس تحریر سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مولانا مرحوم باوجود بلند رتبہ ادیب وانشا پرداز ہونے کے بچوں کے ذہن ومزاج سے بخوبی واقف تھے اور ان پر یا ان سے متعلق لکھ سکتے تھے۔اپنی اس تحریر میں انہوں نے بچوں کی ذہنی سطح کا بڑا خیال رکھا ہے۔اس سے یہ بھی انکشاف ہوتا ہے کہ اگر وہ ادب اطفال کی طرف متوجہ ہوتے تو اس موضوع پر بھی یادگار تحریریں لکھتے۔

علامہ اقبال احمد خاں سہیلؔ

علامہ اقبال احمد خاں سہیلؔ (۱۸۸۴-۱۹۵۵ء) علامہ شبلی شاگرد اور دبستان شبلی کے ممتاز اہل قلم اور بڑے نامور شاعر تھے۔علامہ شبلی کے شعروادب کی وراثت ان کے حصہ میں زیادہ آئی تھی۔وہ انتہائی ذہین، قوی الحافظہ، بڑے زود گو اور انتہائی قادرالکلام شاعر تھے۔مختلف اصناف میں دادسخن ہی نہیں دی بلکہ کشور کشائی کی۔نعت گوئی میں بھی کمال حاصل تھا۔ان کی مشہور نعت ''موج کوثر'' اردو میں شاہ کار کا درجہ رکھتی ہے۔اس کے علاوہ بھی انہوں نے متعدد نعتیں کہی ہیں۔مدح صحابہ کے جلسوں میں انہوں نے جو نظمیں پڑھی وہ اور بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ان کی نظموں اور غزلوں کے مجموعے شائع ہوئے ہیں۔اب ''کلیات سہیل'' بھی شائع ہو چکا ہے۔البتہ پوری زندگی غیر علمی وادبی مشغلہ وکالت میں کچہری میں گذاری، جس سے نہ ان کو بلکہ اردو شعروادب کا بڑا خسارہ ہوا۔

نثر میں متعدد علمی وادبی مضامین لکھے۔ایک کتاب ''ربا کیا ہے'' ان کی یادگار ہے، جس کے عربی وانگریزی میں ترجمے بھی شائع ہو چکے ہیں۔علاوہ ازیں ایک نامکمل کتاب ''سیرت شبلی'' کی متعدد اقساط ماہنامہ الاصلاح سرائے میر میں شائع ہوئیں، جنہیں مولوی فضل الرحمٰن اصلاحی نے مرتب کر کے شائع کرادیا ہے۔نثری مضامین کا مجموعہ بعد از وفات ''افکار سہیل'' کے نام سے شبلی نیشنل کالج اعظم گڑھ سے شائع ہوا تھا۔اسے اب دوبارہ اہتمام اور ترتیب جدید کے ساتھ شائع کرنے کی ضرورت ہے۔

سہیل مرحوم کی سیرت وشخصیت پر نسبتاً بہت کم کام ہوا ہے۔ایک پی ایچ ڈی کا مقالہ ڈاکٹر منور انجم کے قلم سے اور ایم فل کا مقالہ ''اقبال سہیل کی شاعری کا تجزیاتی مطالعہ'' (از: صدف پرویز) جامعہ ملیہ اسلامیہ میں لکھا گیا ہے جو ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی سے شائع ہوا ہے۔ان کی شخصیت اور فکر وفن پر مضامین کا ایک مجموعہ ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن صدیقی نے ''اقبال سہیل کا فن'' اور شبلی نیشنل کالج کے ایک سمینار کے مقالات کا مجموعہ ''دانش سہیل'' بھی شائع ہو چکا ہے، لیکن جس بلند رتبہ کے وہ شاعر وادیب تھے اور ان کے جو کارنامے ہیں اب تک ان کا حق ادا نہیں ہو سکا ہے۔

ناچیز راقم نے بھی ان پر کئی مضامین لکھے ہیں۔ایک میں ان کی غالب شناسی کی تفصیل ہے۔جبکہ دوسرے میں ان کی دو غیر مدون اور نادر تحریریں شائع کی ہیں۔یہ مضامین اب راقم کے مجموعہ مضامین ''عکس واثر'' اور ''حرف واثر'' میں شامل ہیں۔حال میں ان کی دو اور اہم تحریریں دستیاب ہوئی ہیں۔ان میں پہلی تحریر میں انہوں نے محمد عبداللہ خاں خویشگی کی فرمائش پر اپنا تذکرہ لکھا ہے، جبکہ دوسری تحریر مولوی قاضی

عبدالرحمٰن حیرتؔ استاد شبلی نیشنل اسکول اعظم گڑھ کی درسی کتاب ''اپر پرائمری ریڈر مسمی بہ گلدستہ تہذیب'' میں شامل ہے، جو بچوں سے متعلق ہے اور کتاب میں ایک سبق کے طور پر لکھی گئی ہے۔ پہلی تحریر جو خودنوشت کا درجہ رکھتی ہے، درج ذیل ہے:

''محترمی زادت معالیکم، سلام نیاز

پہلے اس امر کا شکریہ قبول فرمایئے کہ جناب نے ارباب قلم کے سلسلہ میں ایک گمنام اور گوشہ گیر خمول کو یاد فرمایا۔ اور پھر اس شکوہ کے لئے اعتذار کہ میرے نام کے ساتھ سید کا لقب جوان دنوں بنو فاطمہ کے لئے مخصوص ہے، اضافہ فرما کر میری افغانیت کی توہین کی، اگرچہ مذہبی حیثیت سے نسب کی کوئی اخلاقی یا شرعی منزلت نہیں ہے۔

ابوھم آدم و الامه حواء. اور فخرِ نسب کا آغاز ابلیس کے اس ادعائے باطل سے شروع ہوتا ہے کہ اس نے اپنے آپ کو آدم کے مقابلہ میں محض نسبی ترجیح کی بنا پر خلافت کا مستحق قرار دیا تھا۔ **خلقتنی من نارٍ و خلقته من طین.** تاہم معاف فرمایئے گا، اگر میں یہ کہوں کہ فخر نسب کی ضرورت اس کو لاحق ہوتی ہے جو اور دوسرے طرق پر اس کا محتاج ہو اور ایک پٹھان کا خود پٹھان ہونا ہی کیا کم ہے کہ وہ بے ضرورت سید بنے جائے۔ الحمدللہ یہ نیازمند **اباًعن جدٍ** افغانی ہے۔ اس ضروری تشبیب کے بعد اصل مقصد کی طرف گریز کرتا ہوں اور بہ تعمیل حکم لختے زحال خویش بہ سیما نوشتہ ام۔

میرے مورث اعلیٰ حسن خاں اضلاع سوات کے باشندے اور یوسف زئی نسل سے تھے، حکومت شرقی کے عہد میں جونپور آئے اور یہیں رہ پڑے۔ وہاں سے میرے پردادا ضیاء الدین خاں مرحوم ۱۸۳۶ء میں اعظم گڑھ آئے۔ اور مختار عدالت رہے۔ انہوں نے ضلع اعظم گڑھ کے ایک گاؤں میں جس کا نام ''بڑہریا'' ہے توطن اختیار کیا۔ اس وقت سے ہمارا وطن یہی گاؤں ہے۔

میری تاریخ ولادت ۲۴ر جمادی الاخریٰ ۱۳۰۶ھ ہے۔ نظم کی بہ نسبت نثر سے زیادہ شغف رہا مگر نثر میں کوئی مستقل کتاب شائع نہیں ہوئی۔ البتہ ایک رسالہ مسئلہ ربوا کی تحقیق پر نظامی پریس بدایوں سے شائع ہوا۔ اور استاد العلام شبلی نعمانیؒ کی سیرت جواب تک میری بدقسمتی سے تشنۂ تکمیل ہے، اس کے کچھ اجزاء رسالہ اصلاح سرائے میر نے بدفعات شائع کئے۔ ''معارف اعظم گڑھ'' میں بیخود موہانی کی ''گنجینۂ تحقیق'' پر ریویو کئی نمبروں میں شائع ہوا۔ اور اصغر گونڈوی وغیرہ چند شعرا کے دواوین کے ساتھ تقریظیں شائع ہوئیں۔

ظاہر ہے کہ وکالت اور ضلع کی وکالت کے ساتھ ادبی مشاغل کا جاری رکھنا شیشۂ وسنگ کی بازیگری سے کم نہیں ہے۔ اس لئے جو کچھ بھی ان حالات میں ہو سکا میری توقعات سے زیادہ تھا۔ شعر بہت لکھے اور مثنوی کے سوا تمام اصنافِ نظم میں طبع آزمائی کی، لیکن علی گڑھ کی طالب علمی تک اردو کا کلام کبھی اپنی طرف منسوب نہ کیا۔

اور بحمدہ تعالیٰ اب تک جو کچھ زبانِ قلم سے عربی یا اردو یا فارسی میں تراوش کرتا رہا، اس کو علے رغم انف شعرا محفوظ نہیں رکھا اور نہ احباب ارباب ذوق کے شدید اصرار کے باوجود اشاعت یا طباعت کی پروا کی، یوں میری اجازت کے بغیر احباب کو جو نظمیں ہاتھ آتی گئیں وہ مختلف رسائل میں غلط صحیح شائع ہوتی گئیں اور جو نظمیں کسی کے ہاتھ نہیں لگیں وہ اب میری رسوائی کے لئے باقی نہیں ہیں۔

وجہ یہ ہے کہ اکثر اربابِ سخن شہرت کے طالب ہوتے ہیں اور عدم شہرت پر شکوہ کرتے ہیں کہ

طالع شہرت رسوائے مجنوں بیش است
ورنہ طشت من داد ہر دوز یک بام افتاد

مگر یہاں احساسِ بے بضاعتی سے معاملہ برعکس ہے۔

اقبالِ سیہ نام کیا طالب شہرت ہو
وہ ننگ دوعالم خود رسوائے زمانہ ہے

استاد مرحوم کی وفات کے بعد تو عرصہ تک شاعری سے طبیعت ناکارہ رہی۔ کہئے، تو کس کو سنایئے؟

سہیل خستہ نقادانِ معنی اٹھتے جاتے ہیں
ترا نغمۂ بہار لالۂ صحرا نہ ہو جائے

(اقبال احمد خاں سہیل۔ اعظم گڑھ، ۹ ستمبر ۱۹۴۲ء)

اس اہم اور دلچسپ تحریر کا ذکر ان پر لکھے جانے والے کسی مقالے میں نظر سے نہیں گذرا اور نہ کسی نے ان کا حوالہ دیا ہے۔ ان کے تذکرہ وسوانح اور فکر ونظر سے متعلق یہ شاید سب سے اہم اور مستند تحریر ہے۔

دوسری تحریر اس لئے اہم ہے کہ یہ ''ادب اطفال'' کا حصہ ہے۔ اور اس وقت کی لکھی ہوئی ہے جب وہ تازہ بہ تازہ علی گڑھ سے تعلیم حاصل کر کے اعظم گڑھ واپس آئے تھے۔ اور اس وقت ان کی عمر محض ۲۷ سال کی تھی۔ اور یہ بھی قابل ذکر بات ہے کہ اس وقت تک ادب اطفال علاحدہ موضوع قرار نہیں پایا تھا۔ وہ تحریر مندرجہ ذیل ہے:

(۲)

مطالعہ وآموختہ

کسان۔ تخم ریزی۔ بارود۔ آب پاشی۔ دلنشیں۔ شاداب۔

۱۔ بچو! تم نے دیکھا ہوگا کہ کسان کھیت میں بیج ڈالنے سے پہلے زمین کو اچھی طرح تیار کرتا ہے اور پھر تخم ریزی کے بعد فصل کو سینچتا ہے، کوڑتا ہے، تب کہیں جا کر اچھی فصل تیار ہوتی ہے، محض ایک دفعہ کھیت کو جوت کر بیج ڈالنے سے کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا ہے، اسی طرح علم کا بیج بھی دماغ میں اس وقت تک نہ تو اچھی طرح جڑ پکڑ سکتا ہے اور نہ بارور ہوسکتا ہے، جب تک سبق لینے سے پہلے تم اپنے دماغ کو مطالعہ سے تیار نہ کرلو، پھر اس کے بعد اس بوئے ہوئے بیج کی آب پاشی اور حفاظت آموختہ سے نہ کرتے رہو، اب میں تم کو مطالعے اور آموختے کا صحیح طریقہ بتلائے دیتا ہوں۔

۲۔ کھیت کی جوتائی اس وقت اچھی سمجھی جاتی ہے جبکہ زمین کے ہر حصے پر ہل پہنچ جائے، بڑے بڑے ڈھیلے ٹوٹ کر چھوٹے ذروں کی شکل میں ہوجائیں، نیچے کی مٹی اوپر آکر سورج کی گرمی سے فائدہ اٹھا سکے اور پورے کھیت کی زمین نرم ہوجائے۔

اگر تم کھیت کو اور بھی عمدہ تیار کرنا چاہتے ہو تو جو فصل بوئی ہو اسی کے مناسب کھاد بھی ڈال دو، پس کھیت تخم ریزی کے لئے تیار ہوگیا، اسی طرح جو سبق تمہیں لینا ہو اس کو شروع سے آخر تک غور سے پڑھ جاؤ، کوئی لفظ ایسا نہ رہ جائے جہاں تمہارے مطالعہ کی نظر نہ پہنچی ہو، کوئی فقرہ ایسا نہ ہو جس کے معنی کو تم نے حل نہ کرلیا ہو۔

۳۔ اگر اس سے بھی بہتر مطالعہ چاہتے ہو تو جو مضمون تمہارے سبق کا ہے اس مضمون پر اور کتابیں بھی دیکھ لو، اب تمہارے دماغ کا کھیت علم کی تخم ریزی کے لئے تیار ہوگیا ہے، چونکہ سبق کے کل مشکل مقامات پر تمہاری نظر پڑ چکی ہے، مشکل الفاظ کے معنی تم نے لغت تم نے لغت میں دیکھ لئے ہیں، اس لئے اب استاد جو کچھ کہے گا وہ تمہارے دماغ میں اتر جائے گا، جو بات تمہاری کوشش سے حل نہ ہوسکتی تھی استاد کی ذرا سی مدد سے حل ہوجائے گی اور اگر تم پہلے سے سمجھ چکے تھے تو استاد کے دوبارہ بتلانے سے وہ مضمون اور بھی دل نشیں ہوجائے گا۔

مطالعے کے فوائد اور اس کا طریقہ معلوم ہوچکا، اب تمہیں آموختے کا فائدہ اور طریقہ بتلائے دیتا ہوں، دیکھو

تمہاری دلچسپی کے لئے ہم وہی کھیت والی پرانی مثال پھر دہراتے ہیں، سنو:

۴۔اگر کسان کھیت جوت کما کر کھاد اور بیج ڈال کر چپکا بیٹھ رہے تو نتیجہ کیا ہوگا، اگی ہوئی فصل پانی نہ پانے کی وجہ سے سوکھ جائے گی، اور اگر خوش قسمتی سے مینہ برس گیا تو ہزاروں قسم کے خودرو پودے اور گھاس پیدا ہوکر فصل کو نقصان پہنچائیں گے، مان لو یہ بھی نہ ہوا تو بھی اگر کھیت کی چاروں مینڈیں اور کھائیاں درست نہیں ہیں تو مویشی فصل چر جائیں گے، اور ساری محنت اکارت ہوجائے گی۔

۵۔اسی طرح فرض کرو ایک طالب علم نے غور سے مطالعہ کیا، استاد نے محنت اور توجہ سے پڑھایا، لیکن جب یہ سب کچھ ہو چکا تو شاگرد نے کتاب طاق پر رکھ دی، ادھر مڑ کر دیکھا بھی نہیں، اب نتیجہ کیا ہوا۔ یا تو وہ سارا پڑھایا ہوا سبق حافظہ سے جاتا رہے گا یا دھندلا سا خیال باقی رہ جائے گا، غرض آخری نتیجہ یہی ہوگا کہ پڑھا بن پڑھا برابر ساری کوشش رائیگاں اور سارا وقت ضائع ہوجائے گا۔

۶۔اگر آموختہ پڑھتے رہے اور ہر نئے سبق کی آموختہ کے ذریعہ سے دیکھ بھال کرتے رہے تو دماغ کے کھیت میں معلومات کی جو فصل تیار ہوگئی ہے وہ ہمیشہ سرسبز وشاداب رہے گی، آموختہ علم کی کھیتی کو تمہاری زندگی تک سرسبز رکھے گا۔(۳)

مولانا سعید انصاری

مولانا سعید انصاری (۱۸۹۴-۱۹۶۲ء) نامور محقق ومصنف اور دبستان شبلی کے ممتاز اہل قلم تھے۔ فتح پور ہسوہ کے رہنے والے تھے۔ برسوں دارالمصنّفین سے بحیثیت رفیق وابستہ رہے۔ متعدد تاریخی کتابیں لکھیں۔ ان میں سیر الصحابہؓ (سیر انصار حصہ اول ودوم)، سیر الصحابیات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ شاعر بھی تھے۔ اردو وفارسی دونوں میں دادِ سخن دیتے تھے۔ ان کے فارسی کلام کا مجموعہ ''جمالیاتی شاعری'' ناچیز کی نظر سے گذرا ہے۔

مولانا سید ریاست علی ندوی کا ایک اور کارنامہ خاص طور پر قابل ذکر ہے اور وہ یہ کہ تفسیر ابومسلم اصفہانی کے اجزا مختلف کتب سے یکجا کر کے مرتب کیا جسے دارالمصنّفین نے کلکتہ کے مطبع البلاغ سے ''ملتقط جامع التاویل المحکم التنزیل'' کے نام سے طبع کرایا۔

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی سے وہ ہندستانی اکیڈمی الہ آباد کے تماہی رسالہ ''ہندستانی'' کے مدیر ہوکر الہ آباد چلے گئے تھے۔ پھر وہ پاکستان چلے گئے اور دائرہ معارف اسلامیہ سے وابستہ ہوگئے اور اس کے لئے متعدد مضامین لکھے۔ پھر اسی کی خدمت کرتے ہوئے سفر آخرت اختیار کیا اور وہیں لاہور میں مدفون ہیں۔ انہوں نے ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، تماہی ہندستانی کے علاوہ لاہور کے اردو دائرہ معارف اسلامیہ کی ترتیب وادارت میں بھی حصہ لیا۔

گوان کی شخصیت، تصنیفات اور علمی خدمات پر متعدد مضامین لکھے گئے ہیں، ناچیز نے بھی ایک سے زاید مفصل مضامین لکھے ہیں جو ''مطالعات ومشاہدات'' اور دیگر کتب میں شامل ہیں، مگر اب تک ان کی شخصیت اور خدمات پر کوئی مستقل کتاب یا تحقیقی مقالہ شائع نہیں ہوا ہے۔ خود انہوں نے جو علمی وادبی اور بلند پایہ مقالات لکھے ہیں ان کا بھی کوئی مجموعہ شائع نہیں ہوا ہے۔

مولانا سعید انصاری کی مختلف حیثیتوں میں ایک حیثیت بچوں کے ادیب کی بھی ہے۔ اور انہوں نے بھی قاضی عبدالرحمٰن حیرت کے رسالہ ''اپر پرائمری ریڈر مسمی بہ گلدستہ

تہذیب‘‘ میں ایک سبق لکھا ہے۔ جو درج ذیل ہے:

(۳۱)

ستارے

بقعہ۔ منظر۔ ٹمٹمانا۔ صانع۔ نقاشی۔

ا۔ستارے بھی عجب دلکش ہوتے ہیں،شام کا وقت ہے، آفتاب ڈوب چکا ہے، دنیا میں ہرطرف اندھیرا چھا گیا ہے، نیلا آسمان تاریکی کی وجہ سے سیاہ نظر آرہا ہے کہ یکا یک ستارے نکلنا شروع ہوتے ہیں، سیاہی دور ہوجاتی ہے۔ دنیا اپنے اصلی رنگ میں نظر آنے لگتی ہے ۔ اور آسمان ان جگمگاتی ہوئی قندیلوں کی وجہ سے بقعہ نور بن جاتا ہے، دور سے دیکھنے میں یہ منظر کیسا اچھا لگتا ہے آسمان کی نیلی چھت میں چاروں طرف ستارے روشن ہیں،کوئی اس طرف جگمگا رہا ہے،کوئی اس طرف ٹمٹمارہا ہے، کہیں ایک ستارہ ہے کہیں دو، اور کہیں بڑے بڑے جھنڈ غور سے دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کہ صانع قدرت نے کیسی کیسی عجیب وغریب نقاشی کی ہے ،گویا ایک نور کا باغ لگایا ہے جس میں رنگ برنگ کے چمکتے ہوئے پھول کھلے ہیں، اس حالت کو دیکھ کر شاعر جھومنے لگتا ہے اور رنگین مزاج لوگ وجد کرتے ہیں۔ (۴)

مرزا احسان احمد

مرزا احسان احمد (۱۸۹۵-۱۹۷۲ء) علامہ شبلی کے ایک دوست مولوی مرزا محمد اسلیم وکیل موضوع مسلم پٹی کے صاحبزادے اور دبستان شبلی کے نامور ادیب و انشا پرداز اور شاعر تھے۔شبلی نیشنل اسکول اعظم گڑھ اور ایم اے او کالج علی گڑھ سے تعلیم حاصل کی تھی۔ مدۃ العمر پیشہ وکالت کے ساتھ دادسخن دیتے رہے، لیکن ان کا اصل میدان نثر نگاری تھا۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع اور نظر بڑی عمیق تھی۔ اسلوب نگارش میں علامہ شبلی کے متبع تھے۔ اور ایسا تتبع کیا تھا کہ ان کی نشاندہی اور امتیاز مشکل ہوتا ہے۔

انہوں نے متعدد علمی وادبی اور تنقیدی مقالات لکھے، جو ماہنامہ معارف اور مخزن لاہور وغیرہ میں شائع ہوئے۔ متعدد شعرا کے کلام پر تقریظیں لکھیں۔جگر مرادآبادی کو اولاً انہیں نے ادبی دنیا سے متعارف کرایا اور ان کا پہلا مجموعہ کلام داغ جگر اپنے مقدمہ کے ساتھ شائع کیا۔

۱۹۶۸ء میں ان کا ایک مجموعہ ’’مقالات احسان‘‘ کے نام سے معارف پریس سے شائع ہوا، جو علی العموم دستیاب نہیں ہے۔اس میں جو مقالات شامل ہیں ان کے علاوہ بھی متعدد طبع زاد اور تحقیقی وتنقیدی مقالات اور بعض تراجم رسائل و جراید مخزن لاہور وغیرہ میں شائع ہوئے ہیں۔ ناچیز نے انہیں ’’باقیات احسان‘‘ کے عنوان سے یکجا کیا ہے جو عنقریب شائع ہوگا۔ زیرنظر تحریر ان کے علاوہ ہے۔اس تحریر کا صنفی تعلق بھی ادب اطفال ہی سے ہے جو درج ذیل ہے:

(۲۹)

گلاب کا پھول

مناظر۔ دل آویز۔ قدرت۔

ا۔دنیا میں بہت سے مناظر ہیں،لیکن سب سے زیادہ خوش نما اور دلکش منظر باغ کا ہوتا ہے، جہاں مختلف رنگوں کے پھول کھلے ہوتے ہیں، یوں تو ہر پھول اپنی جگہ پر خوش نما معلوم ہوتا ہے اور انسان اس کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے لیکن سب سے زیادہ مسرت انسان کے دل کو جس پھول کے دیکھنے سے ہوتی ہے وہ گلاب کا پھول ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اس سے زیادہ دل فریب پھول مشکل سے کوئی اور ہوگا۔

۲۔تم نے دیکھا ہوگا کہ اس کا رنگ کتنا دلکش اور پتیاں کس قدر نازک ہوتی ہیں، خوش بو بھی نہایت مست کرنے والی ہوتی ہے، یہ مختلف قسم کا ہوتا ہے، اور اس کے مختلف رنگ ہوتے

ہیں، چنانچہ اگر تم باغوں میں جاؤ تو تم کو بڑے چھوٹے، سفید، سرخ، گلابی، آبی زرد، شربتی، ہر طرح کے گلاب کے پھول ملیں گے اور تم ان کی خوش بو سے مست ہو جاؤ گے۔

۳۔غرض گلاب کے پھول سے زیادہ دل آویز اور کوئی پھول نہیں ہوتا اور بغیر اس کے باغ کی رونق نہیں ہوتی، تم کو چاہئے کہ جب کبھی کسی باغ میں جاؤ تو گلاب کے پھول کو غور کے ساتھ دیکھو، اس وقت اچھی طرح اس کی حقیقت تمہاری سمجھ میں آجائے گی اور خدا کی قدرت کا کافی طور پر اندازہ ہو جائے گا۔(۵)

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی (۱۹۰۴-۱۹۷۴ء) دبستان شبلی کے نامور اہل قلم اور ممتاز محقق و مصنف اور مورخ اسلام تھے۔۱۹۲۴ء میں ندوہ سے فراغت کے بعد اسی سنہ میں جولائی میں دارالمصنّفین کے رفیق منتخب ہوئے اور پھر چالیس سال تک مسلسل رفیق اور ناظم کی حیثیت سے اس سے وابستہ رہے۔علم وادب کی بیش بہا خدمات انجام دیں۔متعدد کتابیں سیر الصحابہ (دو جلدیں)، تابعین، تاریخ اسلام (چار جلدیں)، ادبی مضامین کا مجموعہ ''ادبی نقوش'' وغیرہ ان کے قلم سے نکل کر مقبول ہوئیں۔وفیاتی مضامین کا مجموعہ ''متاع رفتگاں'' راقم نے مرتب کیا ہے۔ جسے دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی نے شبلی صدی کے موقع پر شائع کیا۔دسمبر ۱۹۷۴ء میں وفات پائی اور ردولی میں اپنے آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

ان کی شخصیت اور علمی و تاریخی خدمات کے جائزے پر نسبتاً بہت کم کام ہوا ہے۔ پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنو کا ایک خصوصی شمارہ، ڈاکٹر آدم شیخ کی کتاب ''شاہ معین الدین احمد ندوی علم وحلم کی شمع فروزاں'' جو مضامین کا مجموعہ ہے، کے علاوہ راقم الحروف کی مختصر کتاب ''شاہ معین الدین احمد ندوی حیات وخدمات'' ہی اس موضوع کی کل کائنات ہے۔حالانکہ شاہ صاحب جس مرتبہ کے مصنف اور ادیب وانشا پرداز تھے، ان پر مزید علمی وتحقیقی کام ہونا چاہئے تھا۔کم از کم ان کے علمی مقالات ضرور دارالمصنّفین کو شائع کرنے چاہئے تھے۔

بہرحال انہوں نے اپنے حالات سے متعلق ایک مختصر نوٹ محمد عبداللہ خاں خویشگی کی فرمائش پر لکھا تھا جو ان کی کتاب ''بوستان قلم'' میں شامل ہے۔وہ خودنوشت کی حیثیت رکھتا ہے۔شاہ صاحب پر کتاب لکھتے ہوئے اس دستاویزی تحریر کا ناچیز کو علم نہیں تھا۔اسی طرح دیگر مقالہ نگاروں کی نظر سے بھی یہ تحریر گذرنے یا اس سے استفادہ کی شہادت ملتی ہے، اس لئے یہ تحریر یہاں نقل کی جاتی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''میرا وطن اودھ کا مشہور قصبہ ردولی ضلع بارہ بنکی ہے، نسبی تعلق سلسلہ چشتیہ صابریہ کے مشہور بزرگ شیخ احمد عبدالحق توشہ قدس سرہ رودولوی سے ہے، اور ان کے واسطہ سے حضرت عمر فاروقؓ تک پہنچتا ہے۔

ستمبر ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوا، ابتدائی تعلیم گھر کے مکتب میں حاصل کی اور ابتدائی عربی وفارسی وطن ہی میں اپنے نانا شاہ شرف الدین احمد صاحب مرحوم سے پڑھی، مرحوم اکابر علمائے دیوبند کے فیض یافتہ اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے مرید اور مجاز بیعت اور عالم مرتاض تھے۔

ابتدائی تعلیم کے بعد متوسطات تک مدرسہ نظامیہ فرنگی محل میں پڑھا اور تکمیل ندوۃ العلماء میں کی۔یہاں سے سند فراغ حاصل کرنے کے بعد جولائی ۱۹۲۴ء میں دار المصنّفین (اعظم گڑھ) آیا اور حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی کے زیر تعلیم تصنیفی زندگی میں داخل ہوا، اس وقت سے اب تک اسی ادارہ سے وابستہ ہوں، چھ سات برس سے معارف کی ترتیب کی خدمت میرے متعلق ہے۔

میری حسب ذیل کتابیں شائع ہو چکی ہیں:

سیر الصحابہ کی تین جلدیں: ۱۔مہاجرین حصہ دوم، ۲۔سیر

الصحابہ حصہ ششم،۳۔حصہ ہفتم،۴۔تابعین۔سلسلہ تاریخ اسلام:۵۔جلداول (عہد رسالت سے خلفائے راشدین تک)،۶۔جلد دوم (عہد بنوامیہ)،۷۔جلد سوم (بنی عباس کا عہد عروج) زیر طباعت ہے۔یہ تاریخ آٹھ دس جلدوں میں تمام ہوگی،۸۔عرب کی موجودہ حکومتیں۔''(۶)

شاہ صاحب کی اس مختصر تحریر سے بھی بعض نادر معلومات ملتی ہیں،مثلاً وہ دارالمصنّفین سے جولائی ۱۹۲۴ء میں وابستہ ہوئے۔ مولانا سید سلیمان ندوی کی موجودگی میں معارف کی ادارت سنبھالی وغیرہ

مولانا سید ریاست علی ندوی

مولانا سید ریاست علی ندوی (۱۹۰۴-۱۹۷۶ء) بھی دبستان شبلی کے اہل قلم اور مصنف ومورخ تھے۔تاریخ صقلیہ اور تاریخ اندلس پر ان کتابیں اپنے موضوع پر اولین تصنیفات کا درجہ رکھتی ہیں۔ان کے علاوہ بھی انہوں نے متعدد کتابیں لکھیں۔ماہنامہ معارف اور ماہنامہ ندیم گیا بہار کی ترتیب وتدوین پر بھی وہ مامور رہے اور اس حوالہ سے علم وفن کی بڑی اہم خدمات انجام دیں۔ان کی گراں مایہ خدمات پر بعض مضامین کے سوا کوئی علمی وتحقیقی کام اب تک نہیں ہوا ہے۔ ان پر جب بھی کوئی تحریری کام ہوگا ان کے قلم سے ان کے درج ذیل حالات مستند ترین ماخذ کا کام دیں گے۔وہ اپنے بارہ میں لکھتے ہیں:

''میری پیدائش بماہ اپریل ۱۹۰۴ء مطابق ماہ رجب ۱۳۲۳ھ شہر گیا (صوبہ بہار) سے ایک میل جانب مشرق مقام آبگلہ میں رضوی حسینی خانوادہ میں ہوئی۔اس خاندان کے مورث اعلی حضرت سید مینا مشہدیؒ یہاں تشریف لائے تھے۔چند گاؤں معافی میں ملے تھے۔سادات کا یہ خاندان اس وقت سے اب تک یہاں آباد ہے۔

ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی،مکتبی تعلیم کے بعد انگریزی اسکول میں داخلہ ہوا،لیکن خاندان کے ایک بزرگ حضرت ڈاکٹر قاضی سید اکرم امام مرحوم کی تحریک سے عربی تعلیم دلانے کی رائے قرار پائی۔اگست ۱۹۱۶ء میں ندوۃ العلماء میں داخلہ ہوا اور ۱۹۲۴ء میں وہاں سے فراغت حاصل ہوئی۔ پھر ماہ جون ۱۹۲۴ء میں دارالمصنّفین اعظم گڑھ کی رفاقت سے وابستگی ہوئی اور جون ۱۹۲۴ء سے اگست ۱۹۳۷ء تک تیرہ سال یہاں قیام رہا۔اس اثنا میں یہاں بعض کتابیں تصنیف ہوئیں۔اور معارف کی ترتیب کی خدمت وابستہ رہی۔اسی اثنا میں وطن میں قیام کی ضرورت پیش آئی تو طویل رخصت لے کر وطن میں قیام اختیار کیا۔وہاں سے رسالہ ندیم (گیا) کی ادارت اگست ۱۹۳۷ء سے دسمبر ۱۹۴۱ء تک ۴/سال ۵/مہینے وابستہ رہی۔ پھر ماہ جنوری ۱۹۴۲ء میں دارالمصنّفین میں واپسی عمل میں آئی۔ جہاں تصنیفی مشاغل جاری ہیں۔

تصنیفات حسب ذیل ہیں:

۱۔تاریخ صقلیہ جلداول (سسلی میں مسلمانوں کی سیاسی تاریخ)،۲۔تاریخ صقلیہ جلد دوم (سسلی میں مسلمانوں کا تمدن)،۳۔تاریخ اندلس (زیر ترتیب) ،۴۔اسلامی نظام تعلیم،۵۔مشاہیر صوفیہ اسلام (غیر مطبوعہ)۶۔تاریخ التاریخ (مسلمانوں کے علم تاریخ کی تاریخ) غیر مطبوعہ (۷)

حوالے

(۱) محمد عبداللہ خاں خویشگی، بوستان قلم،ص۱۰۴-۱۰۵،کراچی،۱۹۶۲ء
(۲) قاضی عبدالرحمٰن حیرتؔ،اپر پرائمری ریڈر مسمی بہ گلدستہ تہذیب، ص۲۱-۲۲،مطبوعہ معارف پریس اعظم گڑھ،۱۹۲۲ء
(۳) اپر پرائمری ریڈر مسمی بہ گلدستہ تہذیب،ص۸۶-۸۹
(۴) اپر پرائمری ریڈر مسمی بہ گلدستہ تہذیب،ص۱۵۴-۱۵۵
(۵) اپر پرائمری ریڈر مسمی بہ گلدستہ تہذیب،ص۱۴۸-۱۴۹
(۶) بوستان قلم،ص۱۰۵
(۷) بوستان قلم،ص۱۰۵-۱۰۶

مولوی حبیب الرحمن۔حیدرآباد

دینِ فطرت

"اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا" (سورہ الملک:2) ترجمہ: ((اللہ) جس نے موت وحیات کو پیدا کیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون عمل میں زیادہ اچھا ہے۔) اور یہ کہ "اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَی الْاَرْضِ زِیْنَۃً لَّھَا لِنَبْلُوَھُمْ اَیُّھُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا" (سورہ الکہف:7) ترجمہ: (ہم نے زمین پر کی چیزوں کو اس کے لئے باعثِ رونق بنایا تا کہ ہم آزمائیں کہ لوگوں میں کون اچھا عمل کرتا ہے۔)

انسان کو چونکایا جارہا ہے کہ یہ چند روزہ زندگی اور یہاں کا سامانِ زیب وزینت تمہاری آزمائش وامتحان کے لئے ہے، تا کہ تم خالق ومخلوق کے حقوق وفرائض کو بہ حسن و خوبی ادا کر کے اپنے کردار کا بہترین نمونہ پیش کرو، یہ سامانِ زندگی ضرورتاً دل بہلانے کے لئے ہے دل لگانے کے لئے نہیں ہے۔ انسان جو اللہ کا بندہ ہے اس کو چاہئے کہ ان اسبابِ زینت سے دل بہلاتا رہے اور فرائض حیات (بندگیٔ رب وخلافتِ ارض) سے دل لگائے رکھے، بندگیٔ رب و خلافت کے فرائض ادا کرنے کو "القرآن" "صحیفۂ فطرت میں حسنِ عمل وعملِ صالح کہتے ہیں۔

اس کے علاوہ یہ حقیقت بھی واضح فرمائی گئی کہ زندگی گزارنے، دل بہلانے کا یہ چندروزہ سامانِ زینت وآرائش انسان کی سعی وجدوجہد کا بدل نہیں ہے کیونکہ جو چیز امتحان و آزمائش کے لئے دی جائے (چاہے حکومت و اقتدار ہی کیوں نہ ہو) وہ امتحان میں کامیاب ہونے کا بدل نہیں ہوسکتی۔ بلکہ اپنے رب کے پاس اس حسنِ عمل کے امتحان میں کامیاب ہونے کا جو اعلیٰ ولازوال بدل مقرر ہے۔ وہی سزاوارِ تمنا ہے انسان کی فطرت اسی کی خواستگار ہے۔ "اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَۃُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ج وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّکَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ اَمَلًا" (سورہ الکہف:46) ترجمہ: (مال واولاد دنیا کی زندگی کی رونق ہیں (دھن پوت جیتے جی کا سنگار ہیں) اور باقی رہنے والا نیکیوں کا بدلہ تیرے رب کے پاس بہتر ہے اسی کی تمنا بہتر تمنا ہے۔)

یہ ارشاد کہ نیکیوں (افکار واعمالِ صالحہ) کا باقی رہنے والا بدلہ اللہ جل شانہٗ کے پاس ہے۔ انسان کی بود و باش کے اُس عالم کی طرف نشان دہی کررہا ہے جو جزائے اعمال کا عالم ہے۔ انسان دوام و بقا چاہتا ہے۔ اسی لئے جزائے اعمال کا عالم دوامی، ابدی ہے "خلدین فیھا ابدا" (جس میں انسان ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔) وہی عالمِ جزاء انسان کا آخری ٹھکانہ ہے۔ جہاں حیات ہی حیات ہے اور وہی زندگی اصلی زندگی ہے۔ "وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ" (سورہ العنکبوت:64) ترجمہ: (بے شک دار آخرت ہی حقیقی زندگی ہے۔) "ان العیش عیش الاٰخرۃ" (حدیث) ترجمہ: (بے شک زندگی، آخرت ہی کی

زندگی ہے۔) اس چندروزہ عالم میں اگر ہر چیز کو فنا و زوال ہے تو اُس ابدی عالم میں ہر چیز کو ثبات و بقا ہے۔

"وَاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ" (سورہ المؤمن: 39) ترجمہ: (اور بے شک آخرت دار البقاء ہے۔) جہاں اللہ تعالیٰ کا قانونِ جزاء یہ ہے کہ جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ جیسے پُن ویسے ہی پاپ اور پُن۔ "مَنْ عَمِلَ سَیِّئَةً فَلَا یُجْزٰٓی اِلَّا مِثْلَهَا" (سورہ المؤمن: 40) ترجمہ: (جو شخص برا کام یعنی خدا کی نافرمانی کرتا ہے تو اس کو برابر سرابر ہی بدلہ ملتا ہے۔) اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتا ہے۔ ان کے احکام و ہدایتوں کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے وہ وہاں ایک مسّرت بھری زندگی "الجنة" اور بے حدو حساب رزق پاتا ہے۔

"مَنْ عَمِلَ سَیِّئَةً فَلَا یُجْزٰٓی اِلَّا مِثْلَهَا وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ یُرْزَقُوْنَ فِیْهَا بِغَیْرِ حِسَابٍ" (سورہ المؤمن: 40) ترجمہ: (اور جو نیک کام کرتا ہے مرد ہو کہ عورت بشرطیکہ مومن ہو ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور وہاں ان کو بے حساب رزق ملے گا۔) یعنی انسان کے افکار و اعمال کی جزاء کے لحاظ سے حیاتِ بعد الموت کے دو جداگانہ عالم ہیں۔ ایک عالم دکھ و درد سے بھرا ہوا ہے۔ "سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا" (الفرقان: 66) جہاں کی تکلیفیں غیر فانی و شدید ہیں۔) "وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰی" (سورہ طٰہٰ: 127) اس نہ ختم ہونے والے عذابِ شدید کا نام عذاب النار ہے جس کی بڑی تفصیل ہے چند باتیں سنیئے یقین ہو تو رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور قلب تھرّا جائے۔

"لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ" (سورہ الزمر: 16) ترجمہ: وہ (ایک سوز و تپش کا عالم ہے جہاں کا اوڑھنا بچھونا آگ ہی آگ ہے۔) "مُّقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ" (سورہ ابراہیم: 49) ترجمہ: (جہاں کے رہنے والے بھاری بھاری زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔) "سَرَابِیْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ" (سورہ ابراہیم: 50) ترجمہ: (اُن کا لباس بھی آتش گیر مادّہ کا ہوگا۔) "وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ" (سورہ الزمر: 60) ترجمہ: (ان کے چہرے نہایت سیاہ ہوں گے۔) "وَوُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ عَلَیْهَا غَبَرَةٌ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ" (سورہ عبس: 40-41) ترجمہ: (ان پر ظلمت و غم کی کدورت چھائی ہوئی ہوگی۔)

"حَمِیْمًا وَّغَسَّاقًا" (سورہ النبا: 25) ترجمہ: (گرم کھولتا ہوا پانی اور پیپ۔) "مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ" (سورہ واقعہ: 52، صافات: 62، دخان: 43) ترجمہ: (اور ایک خاردار قسم کے پھل (جیسے چیل سینڈھ)) "فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِیْمِ" (سورہ واقعہ: 55) ترجمہ: (ان کا کھانا پینا ہوگا جس کو وہ بھوکے پیاسے اونٹوں کی طرح گر پڑ کے کھائیں گے۔) "لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی" (سورہ الاعلیٰ: 13) ترجمہ: (اس سوز و تپش کی زندگی سے نکلنا چاہیں گے تو نکل نہ سکیں گے اور مرنا چاہیں گے تو مر نہ سکیں گے۔)

"اللھم انی اعوذ بك من النار" ترجمہ: (اے میرے اللہ میں پناہ چاہتا ہوں (دوزخ کی) آگ سے)

"حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا" (سورہ الفرقان: 76) ترجمہ: (اس کے برعکس فطری راہ "صراط مستقیم" پر چلنے والوں کی جزاء کا جو عالم ہے وہ کمال حسن و انتہائی خوبی کا مقام ہے۔)

"وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی" (سورہ القصص: 60) ترجمہ: (وہاں کی تمام راحتیں اور نعمتیں، پورا سامانِ زندگی اعلیٰ

وباقی رہنے والا ہے۔)"فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ" (سورہ القارعہ: 7) ترجمہ: (جہاں کی زندگی انسان کی مرضی کے مطابق ہوگی یعنی وہاں کا عیش بھی دائمی، شباب بھی دائمی۔) "لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ" (سورہ الحجر: 48) ترجمہ: (جہاں نہ کوئی تکلیف ہوگی نہ اذیت اور نہ وہ (جنت سے) نکالے جائیں گے۔) "لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا" (سورہ دھر:13) ترجمہ: (وہاں کا موسم ہمیشہ راحت افزاء ہوگا نہ گرمی تکلیف دہ ہوگی نہ جاڑا۔)"وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا" (سورہ دہر: 11) ترجمہ: (ان کے چہروں پر غیر معمولی فرحت و شادمانی رہے گی۔)

"اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ" (سورہ یٰسٓ: 55) ترجمہ: (وہ طرح طرح کی خوش فعلیوں میں مشغول رہیں گے۔)"وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ" (سورہ محمد:15) ترجمہ: (ان کے خورد ونوش (کھانے و پینے) کے لئے ہمہ قسم کے بہترین پھل۔)"فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ" (سورہ محمد:15) ترجمہ: (اور خوش ذائقہ پانی کی نہریں۔)"وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ" (سورہ محمد: 15) ترجمہ: (اور دودھ کی نہریں۔)"وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ" (سورہ محمد:15) ترجمہ: (لذیذ و بے ضرر شراب کی نہریں۔)"وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى" ترجمہ: (اور مصفی شہد کی نہریں ہوں گی۔)

"وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا" (سورہ النبا:33) ترجمہ: (اور ان کی بی بیاں نوعمر و نوخاستہ ہوں گی۔)"كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ" (سورہ الرحمٰن:58) ترجمہ: (ان کی صورت و رنگت اور ان کا بدن روشن و تاباں، سرخ و سپید ہوگا۔) جنت جو نیک اور شائستہ انسانوں کی بود و باش کا ایک اعلیٰ و پاکیزہ مقام ہے وہاں کھانے پینے اور جنسی خواہشات کی تکمیل کا سامان موجود ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ انسانوں میں کھانے پینے وغیرہ کی جو خواہشات ہیں وہ بہیمانہ، حیوانی نہیں، انسانی خواہشات ہیں۔ ان کو بہیمانہ صفات سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ وہ ایک شاہانہ زندگی ہوگی جو دنیا کے بڑے بڑے شہنشاہوں کو بھی نصیب نہیں۔ "لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ" (سورہ الزمر:34) اپنے رب کے پاس جو چاہیں گے وہ اُن کو ملے گا۔)

ان تمام نعمتوں، راحتوں، شادمانیوں کے علاوہ سب سے زیادہ جان پرور، جانفزا، نعمت، دیدارِ الٰہی کی نعمت ہوگی۔ "اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ" (سورہ القیامہ:23)۔ جس طرح اس عالم میں دولت و حکومت کے لحاظ سے ایک کو دوسرے پر برتری و فوقیت ہے اسی طرح عالمِ آخرت کی خیر و باقی زندگی میں بھی سب اہلِ ایمان ایک درجے پر نہ ہوں گے وہاں بھی علم و عمل کے درجوں کے لحاظ سے فرق ہوگا۔

"وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا" (سورہ اسریٰ: 21) ترجمہ: (آخرت کی یہ خیر و باقی زندگی اور اس کے درجات ان ہی بندگان حق کو عطا کئے جائیں گے جنہوں نے اس زندگی کا آزمائشی دور کامیابی کے ساتھ ختم کیا۔)"فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ" (سورہ البقرہ: 132، آل عمران:102)

ترجمہ: (لہٰذا تم مرتے دم تک (اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے) مسلمان (مطیع و فرمانبردار) رہنا۔)

(ماخوذ: رہنمائے فطرت، ص:۶۹-۷۳)

☆☆☆

ایس۔ایم۔عارف حسین۔سینئر خادم تعلیمات، مشیرآباد، حیدرآباد

اللہ ہی قرآن کی حفاظت کریں گے

''قرآن'' اللہ تعالی کا ''کلام'' ہے جو جبرئیل علیہ ک السلام ے ذریعہ آخری پیغمبر محمد صلعم پر ''وحی'' کے ذریعہ نازل کیا گیا۔ قرآن ''غیر مخلوق'' ہے کیونکہ یہ اللہ تعالی کا علم ہے اور وحی کے ذریعہ نازل کیا گیا۔ سورہ الرحمٰن میں وضاحت کی گئی کہ ''رحمٰن نے قرآن کو سیکھایا'' قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالی نے اپنے ذمہ لی ہے جسکی وضاحت قرآن میں اسطرح کی گئی۔ ''ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرینگے'' (سورۃ الحجر)

دنیا گواہ ہے کہ ''قرآن'' سب سے زیادہ پڑھی جانیوالی کتاب ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ ہر نماز میں اس کی سورتیں پڑھی جاتی ہیں اور ماہ رمضان میں دنیا بھر کی مساجد میں نماز تراویح و تہجد میں ایک تا تین دور قرآن کی تلاوت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

یہ بھی ثابت ہے کہ قرآن دنیا کی تمام کتابوں میں سب سے زیادہ ''حفظ'' یعنی ''زبانی یاد'' کی جانیوالی کتاب ہے اور الحمد للہ ہزاروں ایمان والوں کے سینے میں محفوظ ہے اور انشاءاللہ تا قیامت محفوظ رہے گی۔

جہاں تک قرآن کے ''محترم'' ہونے کا تعلق ہے اس کو بغیر وضو کے چھونے تک کی اجازت نہیں ہے۔

اس ''الٰہی کلام'' یعنی قرآن کی نعوذ باللہ ''بے حرمتی'' اور اس کے تحریری و شائع شدہ نسخوں کو پھاڑنے اور جلانے کا تعلق ہے یہ ''بے ایمان انسانوں'' کی بہت بڑی غلط فہمی ہے کہ اس طرح وہ اس کلام الٰہی کی بے حرمتی کرسکیں گے اور ان نسخوں کو نقصان پہونچاسکیں گے۔ یہ امر واضح ہے کہ بیایمان انسانوں کے اس غیر عقلی کوشش سے قرآن کا ایک حرف یا ایک علامت کو تک مٹایا نہیں جاسکتا چونکہ اللہ تعالی از خود اپنے کلام یعنی قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری کا اعلان کر چکے ہیں تو پھر اس کی ''مخلوق یعنی انسان'' کی کیا حیثیت ہوسکتی ہے کہ وہ اپنے ہی خالق اللہ کے کلام کو مٹا سکے یا توہین کر سکے۔

تاریخ اسلام یہ بتاتی ہے کہ ماضی میں دشمنان اسلام کے ساتھ جہاد میں دشمنوں نے کئی ''حفاظ قرآن'' کو شہید کیا پر اللہ تعالیٰ نے دوسرے کئی ایمان والوں کے سینے میں قرآن کو حفظ کے ذریعہ محفوظ کیا جو اس کی قدرت ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک محفوظ رہے گی۔

''بدلے گا زمانہ لاکھ مگر قرآن نہ بدلا جائے گا''
پورا کلام سن کر دل کی دنیا بدل جائیگی''

عجیب بات ہے کہ ''دور جدید'' کے ''تعلیم یافتہ'' اور سیاسی و مملکتی اقتدار کے مالک ''دشمنان اسلام'' قرآن کے نسخوں کو پھاڑ کر اور جلا کر اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ ہم نے اس کی بے حرمتی کی اور اس کو مٹادیا جو قیامت تک ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ دنیا کے تمام ایمان والوں کو اسلام کے خلاف آواز اٹھانے والوں اور عملی حرکات کے مرتکبین کے خلاف کم از کم برا محسوس کریں جو ایمان کا آخری درجہ ہے اور ساتھ ہی ساتھ ریاست و ملک کے قانون کے دائرہ میں رہ کر اپنی آواز بلند کرنے اور عملی اقدامات کرنے کی توفیق دے۔ آمین

ڈاکٹر ابو زاھد شاہ سید وحید اللہ حسینی القادری الملتانی
کامل الحدیث جامعہ نظامیہ، حیدرآباد (Osm)M.A., M.Com., Ph.D

تشکیل صالح معاشرے کے لیے
محولہ ذمہ داریاں نبھانا از حد ضروری

جب تک بندہ اپنی مفوضہ ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی ادا کرتا رہتا ہے اس کے حقوق پامال ہونے کے امکانات بہت کم بلکہ موہوم ہوجاتے ہیں کیونکہ انسانی حقوق اسی وقت پامال ہوتے ہیں جب انسان دنیاوی مفادات کو ترجیح دیتے ہوئے اپنے محولہ کاموں کی ادائیگی میں سستی و کاہلی سے کام لیتا ہے۔ دین اسلام میں ذمہ داریوں کو اتنی اہمیت دی گئی ہے کہ اس کو قانونی زمرے میں شامل کیا گیا ہے بلکہ تمام قانونی زمروں میں بھی ذمہ داریوں کی ادائیگی پر عوام الناس کی زیادہ توجہ مبذول کروائی گئی ہے۔

دین اسلام میں ذمہ داریوں کی ادائیگی کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ذمہ داریوں کی مختلف اقسام بیان کیے گیے ہیں جیسے فرض، واجب، سنت موکدہ، سنت غیر موکدہ، مستحب، حرام، مکروہ تحریمی، اساءت، مکروہ تنزیہی، خلاف اولیٰ، اور مباح۔ انفرادی زندگی سے لیکر اجتماعی زندگی تک مسلم معاشرے میں یہ چلن عرصہ دراز سے چلا آرہا ہے کہ ہر کوئی اپنے حقوق کا مطالبہ کررہا ہے لیکن اپنی ذمہ داریاں نبھانے میں تساہل برت رہا ہے۔ بحیثیت سفیر اسلام مسلمانوں کی مذہبی ذمہ داری ہے کہ ذمہ داریاں نبھاتے وقت اگر ان کے حقوق پامال بھی ہورہے ہیں تو اس کو قربانی کے جذبہ کے تحت نظر انداز کردیں لیکن کبھی اپنی ذمہ داریاں نبھانے میں کوئی کوتاہی نہ برتیں ورنہ ہماری دنیا و آخرت دونوں تباہ ہوجائیں گے۔ اللہ تعالی بروز محشر ہم سے اس بات کا سوال نہیں کرے گا کہ تمہارے کتنے حقوق پامال ہوئے ہیں یہ سوال تو ان سے ہوگا جنہوں نے ہمارے حقوق ادا نہیں کیے ہیں ہم سے تو ہماری ذمہ داریوں کی ادائیگی کے بارے میں باس پرس ہوگی۔ اگر ہر سربراہ اور ماتحت اپنے مفوضہ امور کو احسن طریقہ سے انجام دینے کی خلوص وللّٰہیت کے ساتھ کوشش کریں گے تو کسی کے حقوق پامال ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا اور جس وقت ایسا ہوجائے گا صالح معاشرہ خود بخود تشکیل پاجائے گا جس کے لیے کئی تحریکیں چلائی جاتی ہیں، کئی جلسے و سیمینار منعقد کیے جاتے ہیں، کئی کتب ومقالہ لکھے جاتے ہیں۔

ہمیں حقیقت کے اس پہلو کو بھی ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہیے کہ پوری ایمانداری اور دیانت داری کے ساتھ ذمہ داریاں نبھا کر بھی مسلمان تبلیغ اسلام کی خدمت بجالاسکتا ہے۔ دین اسلام نے اپنے پیروکاروں کو مفوضہ ذمہ داریوں کو احسن طریقہ سے انجام دینے کی ترغیب دی ہے بلکہ قرآن مجید نے ذمہ داریوں کو پوری قوت (یعنی استعداد اور صلاحیت) اور

امانت کے ساتھ انجام دینے کی تلقین فرمائی ہے۔ بالخصوص سرکاری ملازمتوں میں ہم ذمہ داریاں نبھانے میں اس لیے ناکام ہورہے ہیں چونکہ سرکاری ملازمتوں کے حصول کے لیے اکثر یا تو رشوت دی جاتی ہے یا پھر کسی کی سفارش کا سہارا لیا جاتا ہے جس کے باعث ایک انسان کا تقرر ہوتو جاتا ہے لیکن نہ اسے اپنے فرائض منصبی سے واقفیت ہوتی ہے اور نہ وہ مفوضہ امور کو بحسن وخوبی انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہے جس کی عتاب انسانی معاشرے کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔

جب یہ قوت برداشت سے باہر ہوجاتے ہیں تب عوام مشتعل ہوجاتی ہے اور پھر لوگوں کے درمیان تنازعات و اختلافات کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ بحیثیت مسلمان انٹرویو کے ذریعہ تقررات کرنے والوں کی مذہبی ذمہ داری ہے کہ وہ کسی منصب پر ایسے شخص کا تقرر نہ کریں جو نااہل، ناواقفِ کار، بددیانت اور خائن ہو ورنہ جب تک ایسے اشخاص منصب پر بیٹھ کر عوام الناس کو تکلیف پہنچاتے رہیں گے اس کا وبال ان لوگوں پر ہوگا جو رشوت یا سفارش قبول کرتے ہوئے باصلاحیت اور صالح کردار کے حامل لوگوں پر نااہل و ناواقف لوگوں کو ترجیح دیتے ہوئے ان کا تقرر کیا ہے۔ یہ ہماری وہ غلط روش ہے جس کی وجہ سے ماضی کی حکومتوں کو زوال آیا تھا۔ آج ہم تاریخ پڑھتے ضرور ہیں اور حکومتوں کے زوال پر خون کے آنسو بھی بہاتے ہیں لیکن وہ روش چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہے جو ہماری عظمت رفتہ کی بحالی میں سب سے بڑی رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔

رسول رحمتؐ کا اسوہ حسنہ ہمارے سامنے ہے آپؐ نے اپنی ذمہ داریاں نبھانے میں کبھی کوئی کسر نہیں چھوڑی یہاں تک کہ سخت مخالفین کے ساتھ بھی آپ کا سلوک یہی رہا نتیجہ یہ نکلا کہ دین اسلام اور مسلمانوں کے سخت ترین معاندین کو بھی کردار مصطفیٰ کا اعتراف کرنا پڑا اور وہ بھی آپؐ کو صادق و امین کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ آپؐ نے بے شمار مصائب و نہایت مشکلات اور زبانی و جسمانی اذیتیں بشمول تین سال تک شعب ابی طالب میں قید و بند کی مشقتوں کا سامنا کیا، معاشرتی مقاطعہ کو برداشت کیا، طائف کے میدان میں لہو لہان ہوئے، آپؐ پر جان لیوا حملے کیے گئے، آپؐ کی شان اقدس واطہر میں گستاخیاں کی گئیں، آپؐ کے لیے نازیبا اور ناشائستہ الفاظ استعمال ہوئے، آپؐ کو وطن عزیز مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ طیبہ ہجرت کرنا پڑا لیکن ان تمام کے باوجود آپؐ نے ہر دفعہ عزیمت کے راستہ پر گامزن رہتے ہوئے ہمیشہ اپنی ذمہ داریاں نبھاتے اور نبوت کے فرائض انجام دیتے رہے۔

ایک وقت ایسا بھی آیا کہ رسول رحمتؐ سے تبلیغ حق کی ذمہ داری سے باز آجانے کے لیے کہا گیا تو آپؐ نے اس وقت یہ تاریخ ساز جملہ ارشاد فرمایا کہ ''خدا کی قسم: وہ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند لاکر رکھ دیں اور یہ چاہیں میں خدا کا حکم اس کی مخلوق تک نہ پہنچاؤں یعنی فرائض رسالت سے باز آجاؤں تو میں ہرگز اس کے لیے آمادہ نہیں ہوں گا۔ سیرت النبیؐ کے اس روشن باب سے ہمیں یہ سیکھ ملتی ہے کہ معاشرے میں عظیم انقلاب برپا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہر شخص اپنی ذمہ داریاں مسلسل احسن طریقہ سے نبھاتا رہے۔ لیکن افسوس صد افسوس آج ہم غلامِ مصطفیٰؐ ہونے کا دعوی ضرور کرتے ہیں لیکن چند پیسوں اور موقتی دنیاوی آسائشوں کے لیے اپنی ذمہ داریوں سے کنارہ کشی اختیار کرلیتے ہیں۔ سماجی نظام کو مضبوط و مستحکم بنیاد فراہم کرنے کے لیے دین اسلام نے فرائض وحقوق متعین

فرمائے ہیں تا کہ انسان کو ذہنی سکون اور قلبی اطمینان حاصل ہوجائے اور انسانی معاشرے میں کامل ہم آہنگی ہوجو ہر میدان میں حقیقی ترقی حاصل کرنے کے لیے ضروری اور اہم ہے۔صد حیف کہ آج مسلم معاشرے میں حقوق کا مطالبہ کرنے اور فرائض کی انجام دہی میں کوئی باہمی توازن نظر نہیں آتا۔ ہر شخص اپنے حقوق کے لیے لڑائی لڑ رہا ہے لیکن بہت کم لوگ ایسے ہیں جو اپنی مفوضہ ذمہ داریوں کو بحسن خوبی انجام دینے کی حتی الوسع کوشش رہے ہیں۔

مثلاً بچوں کو نبی اور اہل بیت کی محبت اور قرآن مجید کی تلاوت سکھانا، بچوں کے ساتھ صبر وتحمل اور محبت وشفقت کا برتاؤ کرنا، بچوں کی تعلیم وتربیت میں مناسب وقت لگانا، بچوں کے ساتھ یکساں سلوک کرنا ان کے درمیان بھید بھاؤ نہ کرنا، بچوں کی مسلسل اور راست نگرانی کرنا، بچوں کو نزاعی ماحول سے دور رکھنا، بچوں کو بڑوں کا ادب اور چھوٹوں پر شفقت کرنا سیکھنا، بچوں میں ہمت اور قربانی کا جذبات پیدا کرنا، بچوں کے اندر جدت پسندی لانا، بچوں کے حقوق ادا کرنے میں محتاط رہنا، بچوں کو کلیۃً نوکروں اور خادماؤں کے حوالہ نہ کرنا وغیرہ یہ تمام والدین کی بنیادی اور مذہبی ذمہ داریاں ہیں۔

ہر والدین ان ذمہ داریوں کو احسن طریقہ سے نبھانے کی کوشش کریں گے تو معاشرے سے برائیاں از خود ختم ہوجائیں گی اور ان کی اولاد دنیا وعقبی کامیاب وکامران ہوجائے گی۔لیکن جب والدین ان ذمہ داریوں کو نبھانے ناکام ہوجاتے ہیں تو اولاد بڑی ہوکر ان کی نافرمان بن جاتی ہے اور معاشرے میں برائیاں بشمول Old Age Home کا چلن عام ہونے لگتا ہے۔ والدین کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اولاد کی بہتر انداز سے اور اسلامی نہج پر تربیت کریں۔اگر والدین بچوں کے حقوق کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہیں برتیں گے تو انہیں اپنے بچوں کے سامنے اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہوئے شرمندہ ہونے کی قطعی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔ دنیا میں کوئی انسان نہیں چاہے گا کہ اس کے ساتھ کوئی ظلم و بربریت کا معاملہ کرے لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ تقریباً ہر انسان لوگوں کو ظلم وستم کا شکار بنانے میں لذت محسوس کرنے لگا ہے۔ ہر کوئی چاہتا ہے کہ اس کی زندگی میں خوشحالیاں ہوں لیکن وہ خود ہر وقت یہ باطل منصوبہ بنانے میں مصروف رہتا ہے کہ کس طرح اوروں کی زندگی کو اجیرن بنا دیا جائے۔ حقوق کا مطالبہ کرنے اور ذمہ داریاں نبھانے میں جو عدم توازن پایا جارہا ہے اسی کے باعث انسانی معاشرے میں آئے دن نت نئی خرابیاں جنم لے رہی ہیں۔

آج کا مسلمان اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے میں تو پیش پیش ہے لیکن جب ذمہ داریوں کی ادائیگی کی بات آتی ہے تو تقریباً ہر بندہ بری طرح ناکام نظر آتا ہے۔اگر مسلمان ایک دوسرے کے حقوق کا تحفظ کرنے کا فریضہ اخلاص اور پوری ایمانداری و دیانتداری کے ساتھ نبھانے کی کوشش کرنے لگے تو صالح معاشرے کو تشکیل پانے سے دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔آخر میں اللہ تعالی سے دعا ہے کہ بطفیل نعلین پاک مصطفیٰ اس ماہِ مبارک میں تمام مسلمانوں کو اپنی رحمت، مغفرت سے سرفراز فرمائے اور دوزخ سے نجات عطا فرمائے۔آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین طہ ویٰسین۔

☆☆☆

سید عظمت اللہ بیابانی۔ وجئے نگر کالونی، حیدرآباد

گردش

سورج اپنے دن بھر کی مسافت کی تھکان دور کرنے کی جستجو میں اپنے عیش کدہ کی طرف رخ کئے ہوئے ہے۔ مرزا اپنے وسیع وعریض حویلی جو ایک اونچے ٹیلے پہ بنائی گئی ہے، کے دالان میں بیٹھے کسی سوچ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ تھوڑی ہی دیر میں ''کاکا'' نے مرزا سے کسی کے آنے کی خبر دیتا ہے۔ مغرب کا وقت ہے، آسمان اپنے گیسوئے سیاہ شانوں پہ بکھیرے ہوئے، گیسوؤں کو سنوارتے ہوئے، شفق کی گلابی دل موہ لینے والا منظر پیش کررہا ہے۔ رنگ برنگے طائر بے زبان اپنی اپنی آواز میں اس دلکش منظر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے، حمد وثنا کے ورد میں ڈوبے ہوئے، اپنے اپنے آشیانوں کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ مرزا اپنے آنے والے مہمان کی بات سن کر سمجھانے لگے کہ انسان دنیا میں نہ اپنی مرضی سے آتا ہے اور نہ اپنی مرضی سے جاتا ہے۔ وہ خود آتے وقت اپنے آپ کچھ کرسکتا ہے اور نہ دنیا سے جاتے وقت۔ لیکن اس کو دوگز کپڑا بھی چاہئے اور دوگز زمین بھی۔ پھر وہ آنے والے مہمان کو سمجھانے لگے کہ وہ اپنی بہو کی کسی بات کا برا نہیں ماننا۔ اُس کو چار پہیوں کی موٹر گاڑی استعمال کرنے کی عادت ہو۔ اور اس کو تین پہیوں والے آٹو میں سفر کرانے کے عمل پر شاید کچھ رنجش ہوئی ہو۔ آنے والے مہمان مرزا کی مشفقانہ اور فلسفانہ مشورہ سے مستفیض ہوتا ہوا شکریہ ادا کرتے ہوئے چلا جاتا ہے۔

جیسا کہ پہلے کہا گیا اونچے ٹیلے پہ مکان ہونے کے باعث صحن میں کئی اقسام کے پھلوں والے درختوں کے علاوہ پھولوں کے کئی قسم کے پودے ہیں۔ مرزا بہت عرصہ سے اس بڑی خوبصورت اور ہوادار حویلی میں رہتے ہیں۔ اِن کے ساتھ میں ''کاکا'' خدمت گزار ہے۔ ''کاکا'' درحقیقت گجرات کے اُن ہنگاموں کے زمانے میں مرزا اور ان کے اہل وعیال کی خدمت پر معمور تھا۔ جب دنگے اور فساد ہورہے تھے اُن دنوں ''کاکا'' مرزا صاحب کے فلیٹ پہ لگے ہوئے نام کی تختی نکال کر ضعیف العقل دنگے فسادیوں کا رُخ بدل دیتا ہے۔ مرزا کو اس کا پتہ ہونے بھی نہیں دیتا۔ ''کاکا'' ہر روز اپنے ایشور کی پوجا ایسے کرلیتا کہ کسی کو اس کا پتہ بھی نہیں چلتا۔ لیکن مرزا کو اس کا پتہ تھا۔ کچھ دنوں بعد ''کاکا'' تیرتھ یاترا کے لئے مرزا سے اجازت لے کر اپنے تیرتھ استھان کے لئے نکلا۔ انہیں دنوں دنگے فسادیوں نے مرزا کے فلیٹ پر ہلّہ بول دیا۔ وقت کا کرنا ایسا ہوا کہ مرزا اور اہل وعیال بکھر گئے۔ بہت تگ ودو کے بعد بھی مرزا اپنے اہل وعیال کے بارے میں جان نہ سکے۔

کچھ عرصہ کے بعد ''کاکا'' واپس مرزا کے فلیٹ کی طرف آئے اور دیکھا کہ یہ اور آزوبازو کے فلیٹ بالکل کھنڈر بنے ہوئے ہیں۔ بہت پوچھ تاچھ کے بعد بھی مرزا اور ان کے اہل وعیال کا پتہ چل نہ سکا۔ ''کاکا'' اور مرزا کی اُنسیت اتنی گہری کہ وہ اُن کو بھول نہ سکا۔ حکومت کی کوشش بھی اِن بچھڑے ہوئے لوگوں کا پتہ لگانے میں رائیگاں گئی۔ گردشوں

کا پہیہ ایسا گھوما کہ طوفانی بارش اور سیلاب کی وجہ Disaster Management کی طرف سے Rescue Centre بنادیا گیا۔اوران Rescue Centre میں مرزااور ''کاکا'' کی ملاقات ہوگئی۔ دو بچھڑے ہوئے، نہ خونی رشتہ اور نہ مذہبی رشتہ، پھر بھی دو جان ایک قالب ہوگئے۔مرزا اپنے آبائی وطن ''کاکا'' کے ساتھ منتقل ہوگئے۔اپنے اس غیر آباد حویلی کو ایک شاندار گلشن میں تبدیل کردیا۔مرزا عمر رسیدہ ہونے کے باعث تجربہ کار تھے۔ یہ شیخ الکبیر کی حیثیت سے اپنے آبائی مقام کے لوگوں میں مشورہ دینے والے بزرگ کی حیثیت سے مانے جانے لگے۔ اکثر اوقات کوئی نہ کوئی اُن سے اپنے تکالیف بیان کرتے اور مشورہ لینے کے لئے آیا کرتے ہیں۔

شام کے وقت اکثر نیم کے درخت کے نیچے چھاتا کھولے چائے کی چُسکی لیتے ہوئے بیٹھے رہتے ہیں۔اُن کے سامنے ایک دن کانٹے والی سوکھی ٹہنیاں پڑی ہوئی تھیں۔''کاکا'' اُن کانٹوں والی ٹہنیوں کو دور ہٹا دیتا ہے۔ مرزا نے جو اوپر دیکھا کوّا کائیں کائیں کرتا ہوا اپنا آشیانہ ٹھیک کرنے کی کوشش کررہا ہے۔مرزا کو ایک زبردست ہچکی آتی ہے۔''کاکا'' فوری پانی کا گلاس تھما دیتا ہے۔اور دیکھتا ہے کہ مرزا کی آنکھوں سے آنسو اتنی جدوجہد کرتی ہیں کہ وہ داڑھی سے ہوتے ہوئے مرزا کی گود میں سمو جاتی ہیں۔مرزا کو اپنا کھویا ہوا کنبہ یاد آجاتا ہے۔ اتنے میں ایک ملاقاتی اپنے اہلیہ کے ساتھ مرزا کے پاس پہنچ جاتا ہے۔اپنا مسئلہ بیان کرتا ہے کہ اس کے دولڑکے غیر ملک میں رہتے ہیں اور اپنے والدین کو اپنے پاس جو الگ الگ مقامات پہ رہتے ہیں، بلاتے ہیں۔ یہ ملاقاتی میاں بیوی اپنی بہت ہی اونچی عمر پر پہنچ چکے ہیں۔بچوں کا تقاضہ ہے کہ زروزمین چھوڑ کے اُن کے پاس چلے آئیں۔ یہ میاں اور بیوی اپنی جوانی میں محنت اور مشقت سے زر اور زمین حاصل کیا۔ اِن بچوں کی ضروریات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اچھا مکان بنایا۔اب اس عمر میں اِن نعمتوں کو چھوڑ کر غیر ملک جانا بہت بھاری پڑ رہا ہے۔مرزا اپنے ہمدرد اور غمخوار آنسوؤں کو اپنے رومال سے خُشک کرتے ہوئے مشورہ دینے لگے کہ زر اور زمین ایک دھوپ چھاؤں ہے۔ بچوں کی خوشی پر یہ سب نچھاور کیا جاسکتا ہے۔مرزا نے پھر اُن سے کہا کہ بچے یہاں کیوں نہیں آجاتے۔ملاقاتی نے بتایا کہ میرے پوتے اور پوتیاں وہاں کے تعلیمی اداروں سے منسلک ہوچکے ہیں، وہ چھوڑ کے نہیں آسکتے۔مرزا شش وپنج میں پڑ گئے، اتنے میں اوپر سے چیل کے پکارنے کی آواز آئی۔غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ چیل کوّے کے انڈوں کو ضائع کردی ہے اور کوّے کائیں کائیں کررہے ہیں۔

موسم گرما شروع ہوا۔''کاکا'' زمین پر پانی چھڑک کر صحن کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش میں ہے۔ایک بڑی عمر کے شخص نے مرزا سے ملاقات کی غرض سے ''کاکا'' کے ساتھ آتا ہے۔دونوں ہاتھ باندھے مرزا کے سامنے ٹھہر جاتا ہے، اُس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جاری ہے۔مرزا تسلّی دیتے ہوئے اپنے پاس کرسی پہ بٹھالیتے ہیں۔''کاکا'' پانی سے بھری ہوئی گلاس تھماتے ہیں۔تھوڑی دیر آنے والے کو اطمینان دلانے کے بعد احوال پوچھتے ہیں۔معلوم ہوا کہ یہ ضعیف العمر میاں بیوی اپنے دونوں لڑکوں کی شادی ایک مذہبی تعلیمی ادارے سے مذہبی اعلیٰ تعلیم حاصل کئے لڑکیوں سے بالکل شرعی طور پر شادی کردی۔ یہ بہوئیں ایک دوسرے

نیاز جیراجپوری

دُھوم

ہے مچی اِک دُھوم چندریان اُترا چاند پر
ذہن و دِل کو کر گئی مسرور آکر یہ خبر
غیر ممکن کو بھی ممکن کر دکھایا اِسرو نے
کامیابی کس کو کہتے ہیں بتایا اِسرو نے
زندہ باد! اے اِسرو کے سائنس دانو زندہ باد
کارنامہ آپ کا ہے قابلِ تعریف و داد
آپ کی محنت لگن کوشش لے آئی رنگ ہے
آپ کی اِس کامیابی پر یہ دُنیا دنگ ہے
ہو مُبارک آپ کو یہ کامیابی کا سفر
فخر اہلِ ہند کو ہوتا رہے گا آپ پر
آپ نے جو چاند پر پہنچایا چندریان کو
آپ پر ہے اور رہے گا ناز ہندوستان کو
آپ نے ہندوستان کا نام روشن کر دیا
گُلہائے تعبیر سے خوابوں کا دامن بھر دیا
چندریان اور چاند کی جو آرہی تصویر ہے
نہرؔو اور آزادؔ کے خوابوں کی یہ تعبیر ہے
'چندا ماما دور کے' یہ گُزرے گل کی بات ہے
چندا ماما تک رسائی اِسرو کی سوغات ہے
ہم بہت خوش ہیں کہ چندریان پہنچا چاند پر
شان سے لہرائے گا یونہی ترنگا چاند پر
اِس خوشی میں رنج وغم کی بھی ہے آمیزش بہت
ذہن و دِل کے کالے کرتے رہتے ہیں سازش بہت
اشک وخوں میں تر بتر دِن رات بھی ہیں سامنے
نوح اور میوات کے حالات بھی ہیں سامنے
حیف! اِک اُلجھی پہیلی ہے منی پور آج بھی
آشتی امن و اماں سے ہے ابھی دُور آج بھی
اِسرو زندہ باد اور جے ہند کہتے جایئے
اے نیازؔ اِک دُوجے سے مل جل کے رہتے جایئے

سے بہت ملنسار واقع ہوئے۔ چند دنوں کے بعد اِن شادی شدہ بچوں کو دور غیر ملک روٹی روزی کے لئے جانا پڑا۔ شروع شروع والدین سے بچوں کا ربط رہا۔ عمر رسیدہ والدین کو جب کسی کی خدمت کی ضرورت محسوس ہوئی، اُس وقت انہوں نے بہت ہی مشفقانہ طور سے ڈھکی چھپی خواہش ظاہر کی کہ اب چلنے پھرنے کے لئے لاٹھی کی ضرورت محسوس ہورہی ہے۔ میرے بچے والدین کی اِس ڈھکی چھپی اشارے کو بھانپتے ہوئے اپنے وطن آنے کی طرف مائل ہوئے، لیکن بہوؤں نے جو کافی تعلیم یافتہ ہیں شاید محسوس کیا کہ واپس ملک اگر جانا پڑا تب اِن بزرگ ساس سسر کی خدمت میں کمی بیشی سے گناہ کے مرتکب ہونے کی وجہ بن سکتی ہے۔ اس لئے میرے بچوں کی خواہش پر لبیک نہیں کہا۔ ہماری ہمیشہ یہی دعا رہی کہ میرے بہو بیٹے خوشحال رہیں۔ مرزا اس عمر رسیدہ ملاقاتی کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہنے لگے۔ ''کسی کی پہچان علم سے نہیں ہوتی بلکہ ادب سے ہوتی ہے کیوں کہ علم تو ابلیس کے پاس بھی تھا لیکن وہ ادب سے محروم تھا''۔

خیر النساء علیم۔ملک پیٹ،حیدرآباد

ندائے وقت

حیدرآباد میں کئی خاندان بستے ہیں۔ ہر ایک گھر کی الگ کہانی ہوتی ہے جیسے ایک ہاتھ کی پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ایک ماں سے پیدا ہوئے چار بچوں کی فطرت الگ الگ ہوتی ہے۔ کچھ لوگ سعودی عرب میں اچھے عہدوں پر فائز بے شمار دولت کے ہوتے ہوئے بھی اپنے بہن بھائیوں اور رشتہ داروں کو کوئی تحفہ وغیرہ نہیں لاتے۔ بر خلاف اس کے کچھ لوگ اپنی چھوٹی سی تنخواہ اور کئی ذمہ داریوں کے باوجود کچھ نہ کچھ رشتہ داروں اور بہن بھائیوں کے لئے مختلف قسم کے چھوٹے چھوٹے تحفہ لاتے ہیں۔

حیدرآباد میں آئے دن شادی بیاہ کی تقاریب کی دعوتیں یا پھر عقیقہ، بسم اللہ یا سال گرہ کی دعوتیں آتی رہتی ہیں۔عید بارات کو لوگ ایک دوسرے سے ملنے آتے ہیں۔ کچھ نہیں تو کہیں بھی کبھی بھی آزادی سے باہر جاسکتے ہیں۔ لیکن سعودی میں جن کی فیملی وہاں موجود ہے بے چاری عورتیں بند گھروں میں رہتی ہیں۔آسمان بھی نظر نہیں آتا۔ ویک اینڈ پر کبھی کہیں آنے جانے کے لئے کسی سے ہنسنے بولنے کا حیلہ یا پھر کوئی شادی کرنے ہندوستان جارہا ہے یا شادی کرکے واپس آیا ہے تو دعوت میں ایک دوسرے کو مدعو کرکے چھوٹی چھوٹی خوشیاں پردیس میں حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ایسی ہی بیٹھک میں لوگ اپنے دکھ سکھ ایک دوسرے سے بانٹ لیتے ہیں۔

سعودی عرب میں بھلے ہی کوئی دور کا رشتہ دار ہو یا دوست ہو اگر ملاقات ہوگئی تو بہت خوشی ہوتی ہے۔اسے گھر بلاتے ہیں۔ بہت ہی محبت سے پیش آتے ہیں۔اور کھلا پلا کر پھر کبھی چھٹی کے دن آنے کی تاکید کرکے رخصت کرتے ہیں۔ یہ سعودی عرب کی مٹی، ہوا اور پانی کا اثر ہے کہ انسان کو محبت اور خلوص والا بنا دیتی ہے۔

ہندوستان میں لوگ ایک دوسرے سے قریب رہ کر بھی قریبی رشتہ دار ہوکر بھی سالوں ایک دوسرے سے مل نہیں پاتے۔ بیچاروں کے پاس وقت نہیں ہے۔ بہت مصروف ہیں۔

سعودی عرب کی پاک سرزمین ہوا اور پانی کا اثر ہے کہ یہاں سے گئے ہوئے جاہل سے جاہل (اسلامی معلومات میں) لوگوں کو اسلام کی باریکیاں معلوم ہوتی ہیں۔ خلیج کے تاریک وطن اپنے والدین، بیوی، بچوں اور رشتہ داروں سے دور محنت اور مشقت سے کماتے ہیں۔ان کا پیسہ بہت سی قربانیوں کا نتیجہ ہے۔ان تمام قربانیوں کے باوجود والدین کے حقوق، بہن بھائیوں کی خواہشات کا احترام اور شتہ داروں سے ہمدردی، کوئی پریشان ہے اس کی مدد کرنا، کسی رشتہ دار کی بچی کی شادی ہو کچھ قرض دے دینا یا کسی رشتہ دار کا بچہ باہر جانا چاہتا ہے ویزے سے یا پیسے سے مدد کردیتے ہیں۔ان تمام نیکیوں کا صلہ تو سعودی میں مقیم لوگوں کو ہی جاتا ہے۔ وطن میں رہنے والے لوگ جن کا معیار اچھا ہے کیا کبھی اپنے سے کم معیار کے لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔اپنے قریبی رشتہ داروں کے کام آتے ہیں۔ یہاں کے بھائیوں یا رشتہ

عروسہ عرشیؔ۔کلکتہ

یومِ اساتذہ مبارک باشد

طلب ہے علم کی، دل بیقرار ہے ٹیچر
نئے سبق یہ تمہیں اختیار ہے ٹیچر

نہ کرنا بحث خدا پل میں روٹھے
سراپا رحمت ِپرور دگار ہے ٹیچر

سنوار دیتا ہے پھولوں کی زندگی کا نظام
چمن میں علم کے فصل بہار ہے ٹیچر

ہتھیلیوں پہ چھڑی کی وہ ضربتیں لگنا
ہر ایک لمحہ ابھی یاد گار ہے ٹیچر

وہ مسکرانا تمہارا مری شرارت پر
یہ پر ورش کی ادا میں شمار ہے ٹیچر

تمہارا رتبہ ہے ماں باپ سے بڑا رتبہ
اسی عمل پہ مری جاں نثار ہے ٹیچر

یہ بات سچ ہے کہ عرشیؔ بھی دورِ طفلی سے
تمہارے حکم کی ہی تابعدار ہے ٹیچر

داروں پر خرچ کرتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔ہاں اپنی سیرو تفریح میں کوئی فرق آنے نہیں دیتے۔

سعودی میں مقیم افراد جب چھٹی پر ہندوستان آتے ہیں بہت ہی کم وقت ہونے کے باوجود بھاگ بھاگ کر تمام رشتہ داروں، دوست احباب سے ملتے ہیں۔اگر کوئی دور گاؤں میں ہوں تو وہاں پر بھی جا کر ملتے ہیں۔ بے چارے اپنے بیوی بچوں کا وقت کاٹ کر تمام رشتہ داروں سے ملاقات کر لیتے ہیں لیکن وطن میں رہنے والے لوگ اپنے والدین، بیوی،بچوں کے قریب ہوتے ہوئے بھی برسوں میں وقت نکال کر کسی سے ملنے نہیں جاتے۔

کچھ لوگوں کی بے حسی یہ بھی ہے کہ مہینہ بھر کی چھٹی پر آئے اور تمام رشتہ داروں اور دوست احباب میں اپنی محبتیں لٹائے اس کے جانے کے بعد یہاں رہنے والے لوگ یہ نہیں سوچتے کہ ہمارا بھائی یا رشتہ دار ہمارے ساتھ تو اتنی محبت سے پیش آتا ہمارے لئے کچھ نہ کچھ تحفے لاتا ہے۔اس کے جانے کے بعد اس کے گھر کی خبر لیں۔اس کے بیوی بچے کس حال میں ہیں دیکھیں۔ان کو کچھ پرابلم تو نہیں،معلوم کریں۔اس کے معصوم بچوں کے لئے کیک، بسکٹ ہی لے جائیں۔یا یہ سب کچھ نہیں تو خالی ہاتھ ہی جائیں۔ان کے گھر کا ایک آدھ کام ہی نپٹائیں وہ بھی نہیں کر سکتے تو یوں ہی جایا کریں تا کہ معصوم بچوں کا تھوڑا سا دل بہل جائے۔

یہاں رہنے والوں میں نفسانفسی کا عالم ہے۔ہمارے بزرگوں میں دین کی کمی اور انصاف پسند نہ ہونے کی وجہ سے کئی خاندان بکھر رہے ہیں اور تمام ضروریات زندگی کے کاموں کو پورا کرنے کے لئے عورتوں کو گھر سے باہر نکلنا پڑتا ہے۔جہاں باہر کے پیسے سے فائدے ہوئے ہیں وہیں بہت سارے نقصانات بھی۔سب سے زیادہ نقصان تو ان معصوم بچوں کا ہے جو اپنے باپ کی محبت،شفقت سے محروم اپنا بچپن گذار کر جوانی میں قدم رکھ رہے ہیں۔اللہ ہی رحم کرے ان معصوموں پر۔ان ماؤں کو کامیاب کرے جو انہیں سنوارنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہیں۔آمین۔

مقالہ نگاران: **مبین احمد وڈاکٹر محمد رضوان** ۔شعبۂ فارسی ومطالعات وسط ایشیا، مولانا آزاد نیشنل اردو مونیورسٹی حیدرآباد

مرزا محمد امین کی ادبی شخصیت اوران کی خمسہ نویسی کا ایک مطالعہ

قبل اس کے کہ مرزا محمد امین کی خمسہ نویسی کو زیر تحریر لایا جائے اس سے پہلے ان کی ادبی شخصیت کے بارے میں جاننا ضروری ہے۔محمد قلی قطب شاہ کے عہد حکومت میں فارسی کے جتنے عالم اور شاعر ایران سے حیدرآباد آئے ان میں مرزا محمد امین کا مرتبہ ومقام سب سے اونچا ہے۔ایک ذہین اور جواں سال شاعر اور ایک مدبر کی حیثیت سے ادب وسیاست کی تاریخ اسے فراموش نہیں کرسکتی ہے۔

مرزا محمد امین ۱۰۱۰ ہجری میں اپنے وطن سے روانہ ہوکر اسی سال حیدرآباد میں پہنچا اور حیدرآباد پہنچنے کے دوسرے ہی سال یعنی ۱۰۱۱ ہجری میں قطب شاہی سلطنت کے پیشوا میر محمد مومن کی سفارش پر 'میر جملگی' کا معزز ترین عہدہ اسے تفویض کیا گیا۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ اس وقت یہ اہم خدمت تقرر طلب تھی اور اس خدمت کو پر کرنے کے لیے محمد قلی قطب شاہ کسی جوہر قابل کی تلاش میں تھا۔اس سلسلے میں بادشاہ کے آگے کئی نام پیش کیے گئے لیکن بالآخر میر محمد مومن کی مساعی کارگر ہوئیں اور محمد امین شہرستانی کا انتخاب عمل آیا۔اس وقت مرزا محمد نے اپنی زندگی کے ۳۰ برس پر قدم رکھا تھا۔اس کم عمری کے باوصف ایسے اہم اور ذمہ دارانہ عہدہ پر مرزا محمد امین کے تقرر کا فیصلہ اس امر کا ثبوت ہے کہ اس نو وارد ایرانی شاعر میں وہ خصوصیت بدرجہ اتم موجود تھیں جو اس عہدہ جلیلہ پر فائز ہونے کے لئے درکار تھیں۔ محمد امین نے 'میر جملگی' کی عنان اختیار اپنے ہاتھ میں لیتے ہی اپنی صلاحیت وتدبر کے ایسے جوہر دکھائے کہ دیکھتے ہی دیکھتے قطب شاہی سلطنت کے طول وعرض میں اس کا طوطی بولنے لگا کوئی دس بارہ برس تک وہ قطب شاہی سلطنت کے سفید وسیاہ کا مختار کل بنا رہا۔

مرزا محمد امین شہرستانی اصفہان کے ایک معزز خاندان میں ۹۸۱ ہجری میں پیدا ہوئے۔اس نے کم عمری میں ہی ایک شیوہ بیان شاعر کی حیثیت سے اپنا نام پیدا کرلیا تھا۔شاعری میں 'روح الامین' اور 'روح امین' تخلص کرتا تھا۔ روح الامین نے 'میر جملگی' کے عہدہ پر فائز ہونے کے بعد اپنی لیاقت وکاردانی کی بدولت قطب شاہی سلطنت کی سیاسی، سماجی، تہذیبی، اور ادبی زندگی کو بے انتہا فروغ دیا۔عمارات بنوائیں، باغات لگوائے اور شعروادب وعلم وحکمت کی جی کھول کر قدردانی اور سرپرستی کی۔تھوڑی ہی مدت میں اس کا مرتبہ تمام وزرا اور امرا سے بلند وبرتر ہوگیا۔بادشاہ نے اسے اپنا میر جملہ بنانے کے بعد قیمتی جواہرات مرصع جو قلمدان اسے عطا کیا گیا تھا اس سے پہلے کسی بڑے سے بڑے امیر یا وزیر کو ایسا قلمدان نہیں دیا گیا تھا۔اسکی سالانہ تنخواہ دولاکھ مقرر ہوئی تھی اپنی 'میر جملگی' کے آٹھویں برس میں اسکی شوکت وحشمت عروج پر پہنچ گئی تھی۔

مرزا محمد امین نے ۱۰۱۱ ہجری سے لیکر ۱۰۲۰ ہجری تک محمد قلی قطب شاہ کے 'میر جملہ' کی حیثیت سے خدمت انجام دی۔لیکن محمد قلی قطب شاہ کے انتقال (۱۰۲۰ھ) کے بعد حیدرآباد کے سیاسی حالات اسکے لئے سازگار نہیں رہے۔ غرض کوئی گیارہ برس تک حیدرآباد میں قطب شاہی سلطنت کے اعلیٰ ترین عہدہ پر

فائز رہنے اور انتہائی شان وشوکت کی زندگی گزارنے کے بعد مرزا محمد امین حیدرآباد سے رخصت ہوکر بیجاپور پہنچا لیکن بیجاپور کے فرمان روا ابراہیم عادل شاہ کے دربار میں جب اسکی کچھ توقیر وتکریم نہیں ہوئی تو وہاں سے وہ اپنے وطن ایران چلا گیا۔۱۰۲۳ ہجری میں وہ ایران میں شاہ عباس صفوی اول کے دربار میں باریاب ہوا۔مرزا محمد امین صفوی دربار میں وزارت اعلیٰ کا متمنی تھا چونکہ وہ دس برس تک اپنے وطن سے بہت دور ایک بڑی سلطنت کا وزیراعلیٰ رہ چکا تھا اس لیے اپنے وطن میں کسی کمتر حیثیت پر قناعت کرنے کا تصور تک نہ کرسکتا تھا اور پھر اس کے خاندان کے کئی افراد صفوی سلطنت کے بڑے بڑے ذمہ دارانہ عہدوں پر مامور تھے اور اُس وقت بھی عراق و مازندارن کی صدارت کل کے عہدہ جلیلہ پر اس کا چچازاد بھائی مرزا رضی فائز تھا ایسی صورت میں اس کی یہ خواہش کوئی بیجا خواہش نہیں تھی کہ شاہ عباس اس کی خاندانی مرتبت اور خود اسی اپنی اعلیٰ حیثیت اور امور مملکت میں اس کے دس سالہ تجربے کی بنیاد پر اسے سلطنت صفویہ کے سب سے بڑے عہدے پر مامور کرے۔لیکن محمد امین کی یہ خواہش پوری نہیں ہوسکی۔ کچھ دنوں تک وہ اصفہان میں گوشہ نشینی کی زندگی گزارتا اور مستقبل کے منصوبے بناتا رہا اور یہیں سے اس نے شہنشاہ جہانگیر کی خدمت میں یہ معروضہ روانہ کیا کہ اسے مغلیہ دربار سے وابستگی کا شرف حاصل کیا جائے۔ جہانگیر نے اس کی گزارش قبول فرمالی اور فرمان بھیج کر اسے دہلی بلالیا۔ جہانگیر کا فرمان ملتے ہی محمد امین نے پھر اپنا رخت سفر استوار کیا اور اپنے اہل اور اعیال کو اصفہان میں چھوڑ کر ۱۰۲۷ ہجری میں دہلی پہنچا اور شہنشاہ جہانگیر کی سلک ملازمت میں داخل ہوگیا۔شہنشاہ جہانگیر نے محمد امین کو بیس ہزاری منصب اور خلعت وانعام سے سرفراز کیا۔غرض دہلی میں مرزا محمد امین نے پھر سے زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔ جہانگیر کی وفات ۱۰۳۵ ہجری کے بعد شاہجہاں کے دور اقتدار میں اس نے اور زیادہ مراتب ومناصب حاصل کیے اور میر بخشی کی خدمت پر مامور ہوا اور آخر وقت تک مغلیہ دربار سے وابستہ رہا۔بلا آخر مرزا محمد امین نے ۶۶ برس کی عمر میں ۱۰ ربیع الثانی ۱۰۴۷ھ کو وفات پائی۔

مرزا محمد امین کے آثار: مرزا محمد امین نے تمام اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔لیکن غزل اور مثنوی میں بہت بلند مقام اور خاص شہرت رکھتا تھا۔اسکی زبان میں لطافت اور شیرینی کمال درجہ کی پائی جاتی ہے۔غزل کی صنف میں اسکا اسلوب نگارش غنائی ہے تو مثنوی میں اس کا قلم بیانیہ انداز کو معراج کمال پر پہنچادیتا ہے۔اس کی شاعری کے مطالعہ سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ فارسی ادبیات پر اس کی گہری نظر تھی۔اس کے آثار میں غزلیات کا ایک دیوان جو' گلستان ناز' کے نام سے موسوم ہے اور خمسہ جو نظامی گنجوی کی تقلید میں ہے۔روح الامین نے' گلستان ناز' کو کسی بادشاہ یا امیر کے نام نہیں بلکہ 'ارباب فکر وایمان اور سخنوران شیرین زبان' کے نام معنون کیا ہے۔اس کے علاوہ ان کے اس غزلیات کے دیوان میں قصیدہ ے کے چند اشعار بھی پائے جاتے ہیں روح الامین قصیدے کا شاعر نہیں تھا۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قصیدے کے فنی تقاضوں کی تکمیل اسکے بس سے باہر تھی۔ غالبًا اسی لیے اس نے اپنے سب سے بڑے محسن اور سرپرست محمد قلی قطب شاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ بھی نہیں لکھا اور صرف اپنی مثنویوں کے تمہیدی حصوں میں اپنے ممدوح کو خراج عقیدت ومحبت پیش کرنے پر اکتفا کیا۔

خمسہ روح الامین: روح الامین نے اپنے قیام حیدرآباد کے دوران بہ طرز خمسہ نظامی گنجوی، ایک خمسہ لکھنا شروع کیا

جو چار سال میں یعنی ۱۰۱۷ ہجری اور ۱۰۲۰ ہجری کے درمیان مکمل کیا۔ روح الامین نے اس خمسہ کو محمد قلی قطب شاہ کے نام معنون کیا ان کے خمسہ کی مثنویاں اس طرح سے ہیں۔

۱۔ شیرین خسرو ۲۔ مطمع الانظار ۳۔ لیلیٰ و مجنوں
۴۔ آسمان ہشتم ۵۔ جواہر نامہ

۱۔ شیرین خسرو: روح الامین کے خمسہ کی پہلی مثنوی 'شیرین خسرو' ہے انہوں نے اس مثنوی کو ۱۰۱۷ ہجری میں لکھنا شروع کیا اور یکم ذی الحجہ ۱۰۱۸ ہجری میں اختتام تک پہنچایا۔ یہ مثنوی محمد قلی قطب شاہ کے نام معنون کی ہے۔

۲۔ مطمع الانظار: مطمع الانظار روح الامین کے خمسہ کی دوسری مثنوی ہے۔ یہ مثنوی انہوں نے ۱۰۱۹ ہجری میں رشتہ تحریر میں لائی ہے۔ اس مثنوی کے مقدمہ میں روح الامین نے لوگوں کو حقوق اللہ سے آشنا کروایا ہے اور کہا لوگوں کو چاہیے کہ وہ ذکر الٰہی اور پروردگار کے دیگر احکام کو جاری رکھیں۔ اس مثنوی کی داستان کو شروع کرنے سے پہلے خدای متعال کی مدح کو رشتہ تحریر میں لایا گیا ہے۔ اس مثنوی کا آغاز ان اشعار سے ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مطمع آیات کلام حکیم
فاتح گنج سخن آمد نخست ھر چہ نہ با اوست نباشد درست

مرزا محمد امین کی یہ مثنوی عرفانی موضوع پر ہے۔ شاعر نے اس مثنوی کو محمد قلی قطب شاہ کے نام معنون کیا ہے۔ انہوں نے اس مثنوی کو چالیس روز میں ۱۲۲۵ ابیات پر لکھ کر مکمل کیا۔ چالیس روز کی مختصر سی مدت میں تقریباً ڈھائی ہزار اشعار پر مشتمل ایک طویل نظم کی تخلیق شاعر کی قادر الکلامی کا کھلا ثبوت ہے۔ خصوصاً ایسے حالات میں جبکہ اس کا مصنف ایک بڑی سلطنت کا وزیر اعلیٰ بھی تھا جسے اپنی مملکت کے نظم و نسق کی انجام دہی کے لیے بھی اپنے وقت کا بہت بڑا حصہ صرف کرنا پڑتا تھا۔ ان امور کے پیش نظر روح الامین کی زبردست شاعرانہ صلاحیت اور زبان و بیان پر اس کی بے مثال قدرت کا اعتراف کئے بغیر چارہ نہیں۔ اس کا اسلوب بیان نہایت دلکش اور پر اثر ہے دقیق سے دقیق مضامین و مطالب کو وہ بڑی روانی اور بے تکلفی کے ساتھ صاف اور شستہ زبان میں ادا کرتا چلا جاتا ہے۔

۳۔ لیلیٰ و مجنوں: لیلیٰ و مجنوں روح الامین کے خمسہ کی تیسری مثنوی ہے۔ اس مثنوی کے آغاز میں وہ نظامی گنجوی کے ساتھ وہ اپنی بے پایاں عقیدت کا اظہار کرتا ہے اور اسے سرآمد سخنوران بتاتا ہے اور پھر نظامی کی زبان سے اپنی تعریف کرواتا ہے۔ اپنے زمانے سے پہلے کے شاعروں میں وہ جامی، ہاتفی، اور مکتبی کا نام لیتا ہے اور اپنے ہمعصر مثنوی نگاروں میں اہلی شیرازی کا ذکر کرتا ہے اور ان سب کو اپنے سے کم تر درجہ کا شاعر بتاتا ہے اور نظامی کے تتبع میں مثنوی نگاری کو اپنے لیے باعث فخر گردانتا ہے یہ مثنوی بھی محمد قلی قطب شاہ کے نام معنون کی ہے۔ اس مثنوی کا آغاز اس شعر سے کیا گیا ہے۔

اے حسن طراز عشق پرواز انجام نمائے کارز آغاز

شاعر نے یہ مثنوی ۲۶ ربیع الاول ۱۰۱۹ ہجری کے بعد کسی وقت لکھنا شروع کی کیونکہ اس سے پہلے وہ مطمع الانظار مثنوی لکھنے میں مصروف تھا۔

۴۔ آسمان ہشتم: آسمان ہشتم روح الامین کے خمسہ کی چوتھی مثنوی ہے۔ جو ابھی پایہ تکمیل کو نہیں پہنچی تھی کہ محمد قلی قطب شاہ کا انتقال ہو گیا۔ اس مثنوی کا بہت بڑا حصہ محمد قلی قطب شاہ کی مدح و توصیف میں ہے لیکن آخری حصہ میں محمد قلی قطب شاہ کے جانشین محمد قطب شاہ کی تعریف کی گئی ہے اور اسی کے نام مثنوی کو معنون کیا گیا ہے۔ اس مثنوی کو شاعر نے ۱۰۲۱ ہجری کے اوائل میں مکمل کیا۔ اس مثنوی کے دیباچہ میں حمد،

محمد یاسین ہابیل۔امریکہ

نظم

مہاجر بن کے ہم کیا کیا اثاثہ چھوڑ آئے ہیں
اُٹھا کے ہاتھ میں پتھر جو ہیرا چھوڑ آئے ہیں

کبھی تہذیب مشرق کی غلامی میں ہماری تھی
پہن کر پیرہن عریاں ڈوپٹہ چھوڑ آئے ہیں

نہیں ہوتا ہمیں افسوس اب قدریں گنوانے کا
پروسن سے ملے تو ماں کی ممتا چھوڑ آئے ہیں

حیا پر ہند کی نازاں بہت رہتے تھے ہم لیکن
ملی گوری تو پیار اپنی بہن کا چھوڑ آئے ہیں

دیارِ غیر میں کھانے کو تو کھاتے ہیں سب لیکن
جو ذائقہ وہاں کا تھا وہ سارا چھوڑ آئے ہیں

فقط اک بوند پی کر چاہ کی سب بھول بیٹھے ہیں
سمندر جو محبت کا تھا اپنا چھوڑ آئے ہیں

یہاں، رہتے ہیں گم ہابیلؔ خود اپنے خیالوں میں
وطن کا اپنے لیکن ہم خزانہ چھوڑ آئے ہیں

نعت، ومنقبت اورمحمد قلی قطب شاہ کی مدح وتوصیف کے بعد روح الامین نے اپنے فرزند دلبند کومخاطب کرتے ہوئے چند قیمتی نصیحتیں کی ہیں اس سے یہ امر منکشف ہوتا ہے کہ روح الامین شادی شدہ زندگی بسر کرتا تھا اورکم ازکم ایک بیٹے کا باپ ضرورتھا۔اس مثنوی کے اولین شعر یہ ہیں:

ای روان افرین گردون ساز - وی غنی ازشریک وازانبار
ای زهستت هستهای همه - زیردست تودستهای همه

۵۔ جواہر نامہ: روح الامین کے خمسہ کی یہ آخری مثنوی ہے۔ان کے خمسہ کی اس مثنوی کی تفصیل کسی بھی تذکرہ اور تصنیف میں درج نہیں ہے البتہ تذکرہ کاروان ہند کے مو لف نے مختصرطور پرلکھا ہے کہ جواہرنامہ روح الامین کے خمسہ کی مثنویوں میں پانچویں مثنوی شامل ہوتی ہے۔

المختصرمرزا محمد امین کا شمارمحمد قلی قطب شاہ کے دور کے شعراء کی صف میں سرفہرست ہوتا ہے جنہوں نے نہ صرف ادبی اورشعری خدمات کوسرانجام دیا بلکہ سیاست میں بھی ان کا مقام ومرتبہ بہت بلنداور بالا رہا ہے۔اس طرح کے شعراء فارسی ادب میں بہت کم پائے جاتے ہیں جنہوں نے ادب اور سیاست دونوں میں بڑی طبع آزمائی کی ہوان شعراء میں صرف مرزا محمد امین کی شخصیت ہی بلند وبالا مقام رکھتی ہے مرزا محمد امین نے نظامی گنجوی کے خمسہ کا جواب لکھ کرفارسی ادب کوایک بڑی پروان چڑائی ہے۔ان کے خمسہ کا مطالعہ بہت ساری علمی اورادبی خوبیوں سے روشناس کراتا ہے۔مرزا محمد امین اپنے دور کی ایک شان وشوکت رہے ہیں جن کا نام دکن کے فارسی شعراء کی حیثیت سے آج بھی زندہ اورتابندہ ہے۔

منابع ومآخذ:

۱۔ قطب شاہی دور کا فارسی ادب از اختر حسن ابوالکلام آزاد اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ حیدرآباد سال۱۹۷۳ع
۲۔ تذکرہ شعرائے دکن (حصہ اول) مؤلف عبدالجبار خان آصفی ملکا پوری۱۹۳۱ع
۳۔ سلطان محمد قلی قطب شاہ سید محی الدین قادری زورا عظم اسٹیم پریس حیدرآباد۱۹۴۰ع
۴۔ حدیقہ السلاطین مرزا نظام الدین احمد جائے اشاعت حیدرآباد۱۹۳۱ع
۵۔ تاریخ قطب شاہی قادرخانجائے اشاعت حیدرآباد۱۸۸۸ع

تنظیم فاطمہ۔ریسرچ اسکالر بنارس ہندو یونیورسٹی (یوپی)

تبسم فاطمہ کے افسانوں کا تنقیدی جائزہ

تبسم فاطمہ کا نام اردو ادب کے ممتاز ترین افسانہ نگاروں کے درمیان آتا ہے۔اردو ادب کی معروف شاعرہ اور افسانہ نگار تھیں۔ان کی پیدائش 1960 میں آرا بہار میں ہوئی۔ابتدائی تعلیم آرا اور پٹنہ میں حاصل کی۔انہوں نے نفسیات میں ایم اے کیا تھا۔اردو کے مشہور فکشن نگار مشرف عالم ذوقی کی شریک حیات تھی۔شادی کے بعد یہ دہلی میں رہائش پذیر ہوئی۔

انہوں نے ہندی اور اردو دونوں زبان میں لکھا۔تبسم فاطمہ افسانہ نگار،نقاد،صحافی،مترجم اور فلم ساز بھی تھیں۔ انھوں نے اردو اور ہندی میں ۲۰ سے زیادہ کتابوں کا ترجمہ کیا ہے۔دور درشن اور دوسرے ٹی وی چینلز کے لیے ادبی پروگرام بنائے۔انہوں نے مختلف رسالوں کے لیے کالم لکھے۔انہیں بہت سارے ادبی ایوارڈ ملے۔انہیں ہیومن رائٹس کے خصوصی ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔ان کے افسانے مختلف رسالوں میں شائع ہوئے۔ان کے افسانے اپنے موضوع اور زبان و بیان کی وجہ سے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔انہوں نے سادہ الفاظ و بیان کے استعمال سے اپنے افسانے کو ہر دل عزیز بنایا۔

''لیکن جزیرہ نہیں''،''ستاروں کی آخری منزل''اور''سیاہ لباس'' ان کے افسانوی مجموعے ہیں۔ان کا شعری مجموعہ ''تمہارے خیال کی آخری دھوپ'' نام سے شائع ہوا۔اپنے شوہر مشرف عالم ذوقی کی وفات کے بعد وہ ایک دن بھی نہ جی سکیں،دوسرے دن ہی دنیا کو الوداع کہہ کر اپنے خالق حقیقی سے جاملیں۔ان کا شمار اردو کے اہم افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔

انہوں نے اپنے افسانوں میں دور حاضر کے مسائل کی عکاسی کی ہے۔ان کے افسانوں میں زندگی کی تلخ حقیقتوں کو پیش کرنے کی کامیاب کوشش نظر آتی ہے۔انہوں نے اپنے آس پاس کے مظلوم استحصال زدہ عورت کو اپنی کہانیوں میں پیش کیا ہے۔عورت اور عورت کے مسائل ان کا خاص موضوع رہا۔ان کے افسانے کی عورت کمزور نہیں ہوتی بلکہ انقلابی شخصیت کی مالک ہوتی ہے۔دراصل تبسم فاطمہ عورت کو کمزور نہیں مانتی۔انہوں نے اپنے افسانوں میں افسانوی مجموعہ''ایک جزیرہ نہیں'' کے تعارف میں صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ وہ عورت کو کمزور نہیں مانتی وہ لکھتی ہیں۔۔۔

''میں بالکل نہیں مانتی کہ عورت مجبور ہے۔وہ ستائی ہوئی ہوسکتی ہے مگر ہاری ہوئی نہیں۔''

انہوں نے اپنے افسانے جرم میں اپنے کرداروں کے ذریعہ عورتوں کی نفسیاتی کیفیات کو پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔دیپا منیش سے محبت کرتی ہے۔شادی سے پہلے منیش بھی دیپا سے بہت محبت کرتا تھا لیکن جیسے جیسے دیپا کے جسم کی خوبصورتی اسکے موٹاپے کے پیچھے چھپتی جاتی ہے ویسے ویسے منیش کی محبت میں بھی اسے کمی نظر آنے لگتی ہے۔منیش دیپا سے ہمیشہ اس کے جسم پر آئی ہوئی خامیوں کا سوال کرتا۔منیش کہتا ہے۔۔۔۔۔

''دیپا۔۔۔تم یہاں۔۔۔یہاں اور یہاں سے

بدصورت ہورہی ہو۔تمہارا پیٹ کافی نکل گیا ہے۔ چہرے پر جھائیاں پڑ رہی ہیں۔''

عورت ہونے کی وجہ سے عورت کی نفسیات سے بخوبی واقف تھیں۔ انہیں عورت کے دکھ درد کا احساس تھا۔اپنے افسانوں میں اُنہوں نے عورت کی ذہنی کیفیت کو بڑی خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔عورتوں کی ذہنی کشمکش کو اس انداز میں پیش کیا ہے کہ کردار کی نفسیاتی کیفیت قارئین کے دل ودماغ میں اتر کر ایک ذہنی انقلاب برپا کردیتی ہے۔

''عورت۔اسے خود سے شدید نفرت کا احساس ہوا۔ایسا کیوں ہے؟ عورت ہر معاملے میں زندگی کے ہر موڑ پر۔تقدس کی گرد جھاڑتے ہیں چت کیوں ہوجاتی ہے۔ایکدم سے چت اور ہاری ہوئی۔مرد ہی جیتتا ہے۔عورت چاہے جتنی بڑی کیوں نہ ہوجائے۔اندرا گاندھی۔مارگریٹ تھیچر۔سے لے کر عورت کی عصمت کہاں سوجاتی ہے۔''(افسانہ-جرم)

''کچن کے پاس ذرا ہٹ کر جو بیسن ہے۔وہاں اس نے بڑا سا آئینہ لگا رکھا ہے۔اپنے سراپا کو روزانہ دیکھنے کے لئے۔بدن کی ان برائیوں کو جاننے کے لیے۔جسے شادی کی صرف چند سالوں بعد منیش کی آنکھوں میں بارہا محسوس کیا ہے۔آئینہ کے سامنے کھڑی ہوکر وہ عجیب عجیب حرکتیں کرتی ہے۔اپنے ہاتھ پاؤں پر چڑھنے گوشت کو بار بار چھو کر دیکھتی ہے۔وہ فربہ ہونے لگی ہے۔اور منیش لمحہ لمحہ اس سے دور ہوتا جارہا ہے۔''(افسانہ جرم)

وہ اپنے افسانوں کے ذریعہ معاشرے میں تبدیلی لانا چاہتی تھی۔عورتوں کے مسائل کو اپنا پسندیدہ موضوع بنایا۔وہ اپنے افسانوں میں عورت کو مرد کے مقابلے میں کھڑا کرتی ہیں۔افسانے حجاب میں زرینہ حجاب اور دوسری بندشوں کو توڑ کر اپنی زندگی کا فیصلہ خود کرتی ہے۔اپنے خاندان کے اصولوں سے درگزر کر کے اپنی آگے کی تعلیم مکمل کرتی ہے اور اپنی پسند کے لڑکے سے اپنی شرائط پر شادی کرتی ہے۔ زرینہ ایک انقلابی شخصیت کی مالک ہے۔اسے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اسے دنیا کے کتنے تانے سننے کو ملیں گے۔اُسکا یہ ماننا ہے کی اُسکی زندگی کا فیصلہ کسی دوسرے کو نہیں بلکہ خود اُسنے کرنا چاہیے۔وہ ایسے اصولوں سے درگزر کرتی ہے جو اسے قید کرلیں۔

''سامنے ابا کھڑے تھے۔ بڑا بھائی جنید بھی، پہلی بار میں نے کسی کی پرواہ نہیں تھی۔حجاب اماں کی طرف اچھال دیا تھا۔ ''مجھے نجمہ باجی نہیں بننا ہے''

سامنے ابا اور جنید کی غصے سے گھورتی آنکھوں کی مجھے ذرا بھی پرواہ نہیں تھی۔شاید بکھرتے ہوئے، بڑے ہوتے ہوئے یہ پہلا فیصلہ تھا، جو میں نے اپنے پورے ہوش وحواس میں لیا تھا۔میں یہ دیکھنے کے لئے بھی نہیں ٹھہریں کے اماں ابا اور جنید میں کیا باتیں چل رہی تھیں یا وہ مجھے لے کر کس نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔لیکن پہلی بار سینے پر رکھا ہوا ''سلہٹ'' مجھ سے الگ ہوا تھا۔''

سماج میں پھیلی برائیوں پر بھی ان کی گہری نظر تھی۔ افسانہ ''سیاہ لباس'' میں انہوں نے معاشرے میں پھیلی ہوئی گندگی کو بے نقاب کیا ہے۔صیفہ جس کالج میں پڑھتی ہے وہاں کے ایک پروفیسر صیفہ کو گندی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ صیفہ کا رویہ ان دنوں کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے تھا۔اسکی ماں کو اس بات کا احساس تھا کی صیفہ کے ساتھ کچھ غلط ہورا ہے۔ ماں سوچتی ہے کہ شاید کالج کے کسی لڑکے سے صیفہ کو محبت ہے اور اس محبت میں اُسنے کوئی غلط قدم اٹھا لیا ہے۔ایک دن صیفہ بہت زیادہ عاجز آکر اپنی ماں کو میسیج کرتی ہے کہ وہ اُنسے کوئی بات کرنا چاہتی ہے۔صیفہ کی ماں بہت زیادہ پریشان ہوتی ہے یہ سوچ سوچ کر کہ کیا بات ہوئی ہوگی۔صیفہ گھر آتی

ہے تو اپنی ماں سے کہتی ہے کہ اسے وحشی نظروں سے بہت ڈر لگتی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ لڑکوں سے نہیں بلکہ بوڈھوں سے ڈر لگتی ہے۔ صحیفہ کی ماں اسے کالج چھوڑنے کو کہتی ہیں لیکن صحیفہ کالج چھوڑنے کی بجائے ڈٹ کر حالات کا سامنا کرتی ہے۔ اور کہتی ہے۔۔۔۔۔

''گھر سے باہر نکلو تو جیسے جسم پر ہزار چبھتی ہوئی آنکھیں ہوتی ہیں۔ پہلے سوچا تھا کالج چھوڑ دوں گی۔ مگر نہیں۔ اب سوچ لیا ہے۔ کہاں جاؤنگی؟ کسی دوسرے کالج میں؟ کیا وہاں نارائن راؤ جیسے ٹیچر نہیں ملیں گے؟ اپنے سیاہ دانتوں سے، اپنی ہوس بھاری نظروں سے آپ کو دیکھتے ہوئے۔''

تبسم فاطمہ نے اپنے افسانوں کے کرداروں کے مکالمے کے ذریعے ان تمام معصوم لڑکیوں کی تکلیف کو قارئین کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی ہے، جو ان حالات سے روز دوچار ہوتی ہے۔ جنہیں آئے دن لوگوں کی وحشی نظروں سے خود کو بچانا پڑتا ہے۔ ان کی اپنے کردار سے ہمدردی صاف نظر آتی ہے۔ یہ اپنے افسانوں سے عورت کو انقلابی پیغام دیتی ہے۔ ہمیشہ عورت کو مرد خود سے کمتر سمجھتے ہیں۔ وہ اپنے افسانے میں ہمارے معاشرے کی عورتوں کے ساتھ انصاف کرتی ہیں اور اسے مرد کے مقابلے میں پیش کرتی ہے۔ ان کے افسانے کی یہ خصوصیت ان کے افسانے کو ہر دل عزیز بناتی ہے۔

''لیکن جزیرہ نہیں'' میں عورت کے دکھ اور تکلیف کو بیان کیا ہے۔ انہوں نے اس بات کو موضوع بحث بنایا ہے کہ عورت اپنے مرد کی جتنی خدمات انجام دے لے، لیکن ذرا سی خامی یا کمی ہونے پر مرد اس کی ساری محبت، خلوص اور خدمت کو بھلا دیتا ہے۔ سرمد نے تبو کے اتنے سالوں کے پیار اور خلوص کو اتنی جلدی بھلا دیا جیسا تبو کو کبھی اندازہ نہیں تھا۔ عاشی کے گمشدہ ہو جانے کے بعد سرمد اور تبو کا گھر بہت سونا ہو گیا تھا۔ تبو اور سرمد دونوں اپنے بیٹے عاشی سے بہت پیار کرتے تھے۔ ایک دن عاشی کو کسی نے اسکول سے اغواہ کرلیا۔ یہ خبر سن کر تبو کے پیروں تلے زمین کھسک گئی۔ وہ اپنے بچے کو ہر جگہ تلاش کرتی۔ عاشی کے جانے سے تبو کو بھی اتنا ہی غم تھا جتنا سرمد کو۔ تبو سے بھی گھر کی خاموشی اور اُداسی نہیں دیکھی جاتی۔ لیکن سرمد نے تو تبو اور تبو کی محبت کا بالکل بھی خیال نہیں کیا۔ ایک دن سرمد کے پورانے کاغذات ڈھونڈھتے ہوئے تبو کو سرمد کی ڈائری ملی۔ ڈائری میں جو لکھا تھا، اسے اس کی اسے امید نہ تھی۔

''ابا کی خاموشی اور اس گھر کا سونا پن اب مجھ سے دیکھا نہیں جاتا۔ تبو اب اس گھر کے سونے پن کو دور کرنے کے لئے کوئی عاشی مجھے نہیں دے سکتی۔ اس لیے میں نے سوچ لیا ہے کہ۔ آنسوؤں میں اچانک سارے الفاظ دھندھلانے لگے۔ ڈائری ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی۔''

انھوں نے اس افسانے میں عورت کو ایک جزیرہ کہا ہے جس پر کوئی اجنبی کچھ دیر آرام کرتا ہے۔

''عورت تو دور سمندر کی کسی لامتناہی سرے پر بسا ہوا جزیرہ ہوتی ہے۔ بس کسی نووارد کی طرح کوئی مرد ذرا دیر وہاں آ کر آرام کرنا چاہتا ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا رشتہ ہوتا ہے مرد کا عورت سے۔''

تبسم فاطمہ ممتاز ترین ادیبہ اور شاعرہ ہیں۔ انہوں نے اپنے قلم سے اردو ادب کی ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں۔ یہ اردو ادب میں نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کے انتقال سے اردو ادب نے اپنا بیش بہا سرمایہ کھو دیا ہے۔ اردو ادب ایک بہترین افسانہ نگار سے محروم ہوگئی ہے۔ ہم اللہ سے ان کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور یہ بھی دعا کرتے ہیں کہ اللہ ان کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

افسانہ نگار: ڈاکٹر ولاء جمال العسیلی، ایسوسی ایٹ پروفیسر، عین شمس یونیورسٹی، قاہرہ، مصر

جمیلہ

صبح کے چھ بج رہے تھے۔ جمیلہ نے گھڑی کی ان سوئیوں کی طرف دیکھا جو مستقل گھومتی رہتی ہیں۔ جو مدہم ابہام میں عدم کی طرف لے جاتی ہیں۔ جمیلہ نے گھڑی سے نظریں ہٹا کر کھڑکی کی طرف دیکھا، تو اسے ہوا سے ہلتے درخت دکھائی دئے۔ اس نے اپنے آپ سے کہا: ''یہاں تو درخت بھی پھل دیتے ہیں اور وقت کے ساتھ ہلتے بھی ہیں اور میں اب بھی وہی ہوں جیسی تھی۔ میرے اندر کوئی نئی بات یا تبدیلی رونما نہیں ہوتی۔ ایسا لگتا ہے کہ میں بالکل اپنی ماں کی طرح بنتی جا رہی ہوں، جو صرف اتنا کر سکتی تھی کہ بوڑھی ہو جائے۔''

لکھنے پڑھنے سے عشق کے باوجود جمیلہ مردوں کی طرح آزاد ہونے کی خواہش پوری کرنے سے تھک چکی تھی۔ وہ جو چاہتی ہے، لکھ نہیں پاتی، جو محسوس کرتی ہے، اس کا اظہار نہیں کر سکتی۔

معاشرہ شرم وحیا کے نام پر کنٹرول کرتا ہے، لہٰذا وہ الفاظ کو اپنے سینے میں دبانے اور انہیں روشنی میں نہ لانے پر مجبور تھی۔ اس کی سمجھ سے باہر تھا کہ معاشرہ عورت کی فطرت کو کیسے سمجھے گا اور کب تک وہ ہر لفظ، ہر احساس اور ہر خواہش کو دفن کرتی رہے گی۔ وہ سوچتی رہتی تھی کہ کیوں روایات کے مطابق عورت اپنے والدین کے گھر میں پرورش پاتی ہے۔ پھر اس کی شادی ہو جاتی ہے، وہ اپنے ساتھ ان روایات کو لے جاتی ہے۔ ان پر قائم رہتی ہے اور اپنے احساسات کو دفن کرتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کا جسم مٹی میں دفن بھی ہو جاتا ہے۔ بار بار اس کے اندر سے آواز آتی کہ میں احساسات کے بغیر نہ جینا چاہتی ہوں نہ مرنا۔ میں مردوں کی طرح آزاد کیوں نہیں ہوں کہ ہر لفظ، ہر احساس، اور ہر شعور لکھ کر بیان کر سکوں؟

جمیلہ نے اپنے آپ سے ہی اونچی آواز میں یوں سوال کیا کہ جیسے وہ کسی سے بات کر رہی ہے۔ ایسے ہی خیالات ہر شب اسے سونے سے پہلے اور جاگنے کے بعد ہمیشہ اس کے ذہن کو منتشر کرتے رہتے تھے۔

وہ لکھنا چاہتی تھی، لوگوں کو خوش کرنے کے لیے نہیں... صرف سورج اور چاند کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے کے لیے نہیں... بوریت، تھکاوٹ، یا تنازعہ پیدا کرنے کے لیے نہیں... صرف تعریف حاصل کرنے اور مریخ کو چھونے کے لیے نہیں... کوئی وضاحت اور جواز پیش کرنے کے لیے نہیں ...صرف اپنے اور اپنے بارے میں نہیں... وہ اس وقت لکھنا چاہتی تھی جب اس کی روح بے چین ہو اور دماغ کی نسیں پھٹ رہی ہوں.. جب وہ تناؤ اور غصے کا شکار ہو۔ جب وہ اچانک پرجوش ہو جاتی تھی... جب اس کے دل میں کسی کے لئے پیار امڈ پڑتا تھا، جب وہ خوش ہوتی.. جب وہ اپنے سائے اور اپنی آواز کی بازگشت پر قابو نہیں رکھ پاتی تھی... جب حقیقت تخیل کے جنون کے سامنے الجھ جاتی.. جب اس کی انگلیاں چیخ اٹھتی تھیں کہ مجھے قلم چاہیے.. جب وہ لکھے بغیر آرام سے سو نہیں پاتی تھی۔۔۔۔ جب ایک خالی سفید کاغذ

اس کو مشتعل کر دیتا۔۔۔ وہ لکھنا چاہتی تھی جب اسے محسوس ہوتا کہ اس کے آس پاس موجود ہر شخص اسے پکار رہا ہے اور اس سے لکھنے کی درخواست کر رہا ہے۔۔

صبح کے سات بج چکے تھے اور وہ ابھی تک اپنے بستر پر پڑی سوچ رہی تھی... اچانک اس کی بلی اس کے پاس کود پڑی، پھر اس کے پیٹ پر چڑھ گئی اور (مومو) کیا۔۔۔ گویا اسے کہہ رہی تھی، میں تمہارے ساتھ ہوں، میں تمہیں سمجھتی ہوں اور میں تم کو محسوس کرتی ہوں۔

جمیلہ نے اپنی بلی کی طرف دیکھا اور اسے اپنی گود میں لے لیا، پھر اس سے مخاطب ہو کر کہا، ''میں تیری طرح ہوں، میں جو محسوس کرتی ہوں اس کا اظہار نہیں کر سکتی۔ میں ایک لڑکی ہوں، اس لیے مجھے بولنے یا لکھنے کا حق کوئی نہیں دیتا۔ وہ بس زندگی جینے کے لئے یہ چیزیں مجھے دیتے ہیں جیسے کھانا پینا اور لباس پہننا۔۔۔ گویا میں ایک ایسا جانور ہوں جس کا دماغ نہیں ہے۔۔ گویا کہ میرا وجود صرف بھوک اور شادی تک محدود ہے۔'' بلی نے جمیلہ کی چھاتی سے خود کو آزاد کیا اور بستر سے اُتر کر کمرے سے باہر بھاگی۔ شاید اس کی بات پر بلی کو غصہ آ گیا۔ جمیلہ طنزیہ انداز میں سوچ رہی تھی کہ کیا یہ بلی بھی لوگوں کی طرح حقائق بیان کرتے ہوئے غصے میں آ جاتی ہے؟ اکثر لوگ وہم میں جینا پسند کرتے ہیں، سچائی سننا پسند نہیں کرتے۔ پھر جمیلہ سیدھی ہو کر بستر پر بیٹھ گئی اور پاس کی میز سے کاغذ اور قلم اٹھایا اور سوچنے لگی۔ کیا ہوگا اگر میں وہی لکھوں جو میں محسوس کرتی ہوں، میں اس خواب کے بارے میں لکھوں گی جو میں نے سوتے ہوئے دیکھا تھا۔۔۔ اس نے قلم اور کاغذ اٹھایا اور پھر تاخیر کئے بغیر وہ اپنے خواب کے واقعات لکھنے لگی۔

''وہ میرے قریب آیا، یہاں تک کہ اس کی گرم سانسوں نے میرے چہرے اور گردن کی دودھیا جلد کو بھڑکا دیا۔۔۔ اس کی مردانہ خوشبو اس کے عطر کی خوشبو میں پیوست ہو گئی، جسے میں اپنے حواس کو بھرتی ہوئی پسند کرتی ہوں۔ وہ خاموشی سے میرے بالوں پر اپنا ہاتھ پھیرنے لگا، وہ میری قربت سے اور میری مخصوص گلاب کی خوشبو سے (جو ہمیشہ مجھ سے پھوٹتی ہے) لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اپنی انگلیوں سے میری نرم جلد کو چھونے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ انتہائی عرق ریزی اور لطف اندوزی کے ساتھ میری گھومتی آنکھوں کی لرزش میں کھویا جا رہا تھا۔ پھر اسے احساس ہوتا ہے کہ اس کی قربت میرے لئے کس قدر الجھن اور تناؤ کا باعث بنتی ہے۔ اس کی مجھ سے قربت کی وجہ سے جس قدر الجھن اور تناؤ پیدا ہوا، وہ تقریباً قسم کھانے جا رہا تھا کہ وہ میرے دل کی دھڑکنوں کو اور میری بے ترتیب سانسوں کی رفتار کو سن سکتا ہے۔ اس وقت میرے دل کی دھڑکنیں سمندر کی اونچی لہروں کی مانند تھیں اور پسینے کے سادہ موتی میری پیشانی پر نمودار ہونے لگے تھے۔ میری نبض زور سے دھڑکنے لگی، وہ اور زیادہ قریب آیا، میرے بھڑکتے ہوئے جذبات نے زور پکڑا تو میں نے گھبرا کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ میں جانتی ہوں کہ میرے جذبات ہمیشہ اس کی قربت میں مجھ پر حاوی ہو جاتے ہیں۔ ایسا جذبہ جو میں نے کسی دوسرے شخص کے ساتھ محسوس نہیں کیا۔ میں اس کے بوسے کا ذائقہ کبھی نہیں بھولوں گی۔۔۔۔'' وہ یہیں تک لکھ سکی تھی کہ اس کی ماں کی آواز آئی، جمیلہ۔

جمیلہ نے ماں کی آواز سن کر جلدی سے قلم اور کاغذ کو تکیے کے نیچے چھپا دیا، مگر جو لکھ رہی تھی اس سلسلہ کو ختم نہیں کیا۔

جمیلہ نے جواب دیا: جی ماں، آ رہی ہوں

ماں کی آواز پھر کچن سے آئی اور بولی: تم کب تک سوتی رہوگی، اٹھو، آؤ اور ناشتہ بنانے میں میری مدد کرو۔

جی ماں.. میں آ رہی ہوں۔ اس نے بستر سے نکلتے ہوئے کہا، اس بات کو یقینی بناتے ہوئے کہ اس نے جو لکھا ہے وہ اچھی طرح سے تکیہ کے نیچے چھپا ہوا ہے۔ اور اسے کوئی دیکھ نہیں پائے گا۔ اس نے اپنا منہ دھویا اور پھر ناشتہ بنانے میں اپنی ماں کی مدد کرنے کے لیے کچن میں چلی گئی۔

جمیلہ جیسے ہی کچن میں داخل ہوئی تو اس کی ماں نے اس سے کہا کہ آج ہمیں گھر میں بہت کام ہیں، میں آج ناشتہ بنانے کے لئے تم کو اکیلے چھوڑ دیتی ہوں اور گندے کپڑے واشنگ مشین میں ڈال دیتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ جب میں آؤں تو سب کچھ تیار ہو جائے۔ تم سمجھیں؟

ماں یہ کہہ کر کچن سے نکل گئی۔

جمیلہ جلدی جلدی ناشتہ تیار کرنے لگی، تاکہ اس کی ماں اس سے ناراض نہ ہو۔

جب جمیلہ ناشتہ بنانے میں مصروف تھی، تو اس نے اپنے آپ سے کہا: اے خدا، میں نے جو کاغذ لکھ کے تکیے کے نیچے رکھا ہے کہیں اس پر ماں کی نظر نہ پڑ جائے۔ وہ تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔ اس کے دل کی دھڑکن خوف سے تقریباً رک سی گئی، جب اس نے دیکھا کہ اس کی ماں گندی چادریں بدل رہی ہیں۔ جمیلہ کے پیروں کے نیچے سے اس وقت زمین کھسکنے لگی اور پیر تھر تھر کانپنے لگے، اس کے حواس جاتے رہے، جب اس نے اپنی تحریر کو اپنی ماں کو پڑھتے ہوئے پایا۔

اس کی ماں نے غصہ بھری آواز میں چیخ کر پوچھا: یہ کیا ہے؟ اور یہ شخص کون ہے؟ بولو۔۔۔

اس لمحے، جمیلہ نے محسوس کیا کہ اچانک صبح گہری رات میں تبدیل ہوگئی ہے۔ اسے لگا کہ اس کو چکر نہیں آ رہا ہے بلکہ زمین کی گردش تیز ہوگئی ہے۔ وہ اپنے ایک خواب کو ماں کی نظر میں حقیقت بنتے دیکھ کر شرمسار تھی اور اس کے کانپتے ہونٹوں میں اتنی سکت نہیں تھی کہ وہ جواب دے سکتی۔

☆☆☆

جھانگیر قیاسؔ۔ حیدرآباد

غزل

تھا عزم کا کمال جو چلنا پڑا مجھے
گرنا تو تھا یقینی سنبھلنا پڑا مجھے

کیا جانے کیسا وقت برا آتا جان پر
راہِ خطر سے بچ کے نکلنا پڑا مجھے

پھولوں کی سیج ویسے مقدر میں تھی مرے
لیکن کبھی تو کانٹوں پہ چلنا پڑا مجھے

ویسے میرے بھٹکنے کے آثار تھے مگر
ہر وقت حق کے سانچے میں ڈھلنا پڑا مجھے

کیا بات ہے بتا نہیں سکتا ہوں میں قیاسؔ
تھی بات ایسی ہاتھ جو ملنا پڑا مجھے

دنیائے ادب میں یوسف روشؔ کا نعم البدل ملنا مشکل

صدائے شبلی کا شمارہ یوسف روشؔ نمبر کی رسم رونمائی ونعتیہ مشاعرہ کا انعقاد

بزم حسان کے زیر اہتمام ممتاز ادیب و استاد سخن و مخلص شاعر مرحوم سید یوسف روشؔ کی یاد میں صدائے شبلی کا ماہنامہ اگست کا شمارہ سید یوسف روشؔ نمبر کی رسم رونمائی بدست معتمد سراج العلماء اکیڈیمی مولانا محمد زعیم الدین حسامی، کامل ہال، احاطہ حسامیہ نونہال ہائی اسکول یاقوت پورہ میں عمل میں آئی۔ سید سہیل عظیم نے جلسہ و مشاعرے کی نظامت کی۔ اس موقع پر مدیر اعلی صدائے شبلی حافظ وڈاکٹر محامد ہلال اعظمی نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ سید یوسف روشؔ مخلص اور ملنسار شخصیت کے مالک تھے۔ وہ رسالہ صدائے شبلی کے خریدار بھی تھے اور اس رسالہ سے انھیں بہت دلچسپی تھی۔ چنانچہ ادارہ نے ماہ اگست کا شمارہ سید یوسف روشؔ فن اور شخصیت پر خصوصی نمبر شائع کرتے ہوئے ان کی خدمات کو خراج تحسین پیش کر رہا ہے۔ جناب ڈاکٹر جاوید کمال مدیر اعلیٰ ریختہ نامہ نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ موت تو برحق ہے۔ لیکن ادبی دنیا میں یوسف روشؔ کی کمی شدت سے محسوس کی جائے گی۔ نواب میر وقار علی خان نے کہا کہ ہم یوسف روشؔ جیسی مخلص شخصیت سے محروم ہو گئے ہیں۔ جن کی یاد ہمارے دلوں میں ہمیشہ رہے گی مہمان مقرر مولانا محمد زعیم الدین حسامی نے خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ وقت کی پابندی مرحوم یوسف روشؔ کی خاص روش تھی۔ وہ چھوٹے اور بڑوں سے خلوص ومحبت سے ملتے تھے اور انھیں اپنا گرویدہ بنا لیتے تھے۔ لیاقت علی ہاشمی نے اپنے تاثرات پیش کرتے ہوئے وقت کی اہمیت پر زور دیا اور مرحوم یوسف روشؔ کے کردار کی ستائش کی اور کہا کہ ان کا نعم البدل ملنا بہت مشکل ہے۔ معتمد عمومی بزم حسان ثناء اللہ انصاری وصفؔی نے کہا کہ حضرت یوسف روشؔ شاعری میں میرے بہترین استاد تھے۔ جن کی یاد میں اکیڈیمی قائم کی گئی ہے جس کے زیر اہتمام ادبی جلسے اور مشاعرے منعقد ہوں گے۔ مہمانان اعزازی صاحبزادہ سید مبارک اللہ برکت اور جہانگیر قیاس نے بھی خراج عقیدت پیش کیا۔ نعتیہ مشاعرہ کی نگرانی ڈاکٹر فاروق شکیل نے کی۔ سید سمیع اللہ حسینی، ڈاکٹر فریدالدین صادق، صوفی سراج مدنی سہروردی اور طاہر رومانی نے مہمانان خصوصی کے طور پر شرکت کی اور کلام سنایا۔ سید جنید حسینی جنید، نورالدین امیر، جہانگیر قیاس ثناء اللہ انصاری وصفؔی، سید سہیل عظیم، میر مقبول علی مقبول، سراج یعقوبی اور ساجد شریف نے نعتیہ کلام سنایا۔ داعی محفل جناب ثناء اللہ انصاری وصفی نے تمام سامعین و شعراء کا شکریہ ادا کیا۔

رپورتاژ: **ڈاکٹر نادر المسدوسی**۔صدر بزم علم وادب مغل پورہ،حیدرآباد

''اردو زبان کی ترویج وترقی''

ریاست تلنگانہ میں اردو زبان کا موجودہ موقف اور اُس کی بقا، ترویج وترقی کے ضمن میں غور وخوض کے لئے اردو اداروں اور انجمنوں کے ذمہ داروں کے علاوہ پروفیسر، اُدبا، شعرا وصحافی حضرات کا ایک اہم اجلاس بیت المسدوسی مغل پورہ میں بزم علم وادب کے زیر اہتمام صدر بزم ڈاکٹر نادرالمسدوسی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اوراس کا آغاز قاری عبدالاحد صدیقی (پربھنی، مہاراشٹرا) کی قراءت کلام پاک سے ہوا۔ ابتدائی خیر مقدمی تقریر کرتے ہوئے ڈاکٹر نادرالمسدوسی نے کہا کہ آج کا اجلاس انتہائی اہم ہے جس میں تمام سیاسی، سماجی، مذہبی، ادبی وصحافتی مکتب فکر کے اصحاب اردو زبان کی بقا اور ترقی کی فکر میں یہاں جمع ہوئے ہیں۔ اسی لئے آج کے اجلاس میں صرف ایک نکاتی ایجنڈا ''اردو زبان کی ترویج وترقی'' رکھا گیا۔ جس میں اہم ترین شرکائے اجلاس نے تجاویز پیش کی تاکہ جس کی روشنی میں باضابطہ کام کو آگے بڑھایا جاسکے۔ اور حکومت سے اور حکومت کے دیگر اداروں سے نمائندگیاں کی جاسکے۔ اور ساری ریاست میں اردو زبان کے فروغ کے سلسلے میں مرکزی اور ذیلی کمیٹیاں تشکیل دی جاسکے۔ اجلاس میں شرکت کرنے والوں میں قابل ذکر پروفیسر مجید بیدار، ڈاکٹر سید اسلام الدین مجاہد، ایس کے افضل الدین، محمد رحیم اللہ خاں نیازی، سید مسکین احمد، ڈاکٹر راہی، سلیم احمد فاروقی (معتمد اردو اکیڈمی جدہ)، ڈاکٹر م ق سلیم، ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی (ایڈیٹر ماہنامہ صدائے شبلی)، ڈاکٹر محبوب فرید (ایڈیٹر ماہنامہ شاداب)، محمد حمید الظفر (سابق آراو اردو اکیڈمی)، محمود اظہر عقیل (ایڈیٹر ان چیف چوائس نیوز)، محمد نیر اعظم (اردو لیکچرر)، سید خواجہ رضی الدین عظمت (اردو لیکچرر)، سید مجتبیٰ عابدی (تلنگانہ اردو کونسل)، محمد تمیز الدین احمد (صدر اسوسی ایشن آف اردو ڈیولپمنٹ)، ڈاکٹر مختار احمد فردین (اردو ماس سوسائٹی)، ظہور ظہیر آبادی (بانی وصدر بزم ظہور حیدرآباد)، صاحبزادہ نواب میر وقار علی خان، ذکی جمال (ادیب)، لطیف الدین لطیف (معتمد نشرواشاعت انجمن محبان اردو)، بصیر خالد (شاعر)، سید ہاشم علوی، اس موقع پر عارف الدین احمد (منتظم تحفظ اردو وصدر) نے فون پر چند اہم تجاویز پیش کیں۔ آخر میں صدر اجلاس نے تمام محبان اردو، حیدرآباد اور اضلاع کے اداروں اور انجمنوں کے ذمہ داروں کے علاوہ ادیبوں، شاعروں،

صحافیوں، لیکچررز، پروفیسر، ایڈوکٹیں اور سماجی جہد کاروں سے اپیل کی کہ یہاں پر دیئے گئے واٹس ایپ نمبر 7799654311 پر اپنی تجاویز ایک ہفتہ کے اندر پوسٹ کریں تاکہ تمام تجاویز کو سامنے رکھ کر باضابطہ ایک میمورنڈم تیار کرسکیں اور مستقبل کے لئے لائحہ عمل تیار کریں۔ محسن خان (معتمد نشرواشاعت بزم علم وادب) نے کاروائی چلائی۔ جاوید عارفی اور مصعب بامسدوس نے اجلاس کے تمام انتظامات بخوبی انجام دیئے۔

مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم شاہین نگر حیدرآباد زیر انتظام شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد میں انگلش سے اردو الحمدللہ روزانہ ایک گھنٹہ مدرسہ ھذا میں انگلش سیکھنے کا منظم نظم ہے۔ ادارہ ڈاکٹر غوثیہ بانو، ڈاکٹر نوری خاتون ویمنس کوٹھی عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد اور خصوصی طور پر محترمہ عائشہ کا شکریہ ادا کرتا ہے اللہ تعالیٰ بہترین بدلہ دے آمین

DR. S.J HUSSAIN
MD (Unani)
Former director Incharge
Central Research Institute Of Unani Medicine
Govt of India

website: www.unanicentre.com
Email:syedjalilhussain@gmail.com
jaleel_hussain@yahoo.com

Dr. Jaleel's

یونانی سینٹر فار کارڈیک کیر
UNANI CENTER FOR CARDIAC CARE

Consultation Time
Morning:9:00 am to 2:00 pm
(Friday Morning and Sunday Evening Closed)

Cell:
+91 8142258088
+91 7093005707

Adress -: No: 8-1-332/3/B-69, RoadNo 1(A)Arvind Nagar Colony
Tolichowk Hyderabad - 500008 T.S India

شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ، حیدرآباد

SHIBLI INTERNATIONAL
EDUCATIONAL & CHARITABLE TRUST

Regd. No. 180/2016

مدرسہ ومسجد کے تعاون کی اپیل

حدیث نبوی ﷺ ہے خَیْرُکُم مَن تَعَلَّم القُرآن وَعَلَّمَہ ۔تم میں بہترین انسان وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔اس حدیث سے علم اور قرآن علم کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔اسی علم کی نشر واشاعت کے لئے **مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم** ۱۵؍جنوری ۲۰۱۷ء کو قائم کیا گیا تا کہ امت مسلمہ کے نونہالان زیور علم سے آراستہ ہوں اور ملک وملت کی خدمت میں وقف ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔آمین یارب العلمین۔

مدرسہ ہذا کی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے۔جملہ اخراجات کی ادائیگی اہل خیر حضرات کے تعاون سے ہوتی ہے۔

الحمدللہ مدرسہ میں تعمیری کام بھی جاری ہے،اس وجہ سے اہل خیر حضرات سے گذارش ہے کہ مدرسہ کا نقد یا اشیاء کے ذریعہ تعاون فرما کر یا کسی طالب علم کی کفالت لیکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔نوازش ہوگی۔

مسجد الٰہی

زیر انتظام شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ حیدرآباد کا تعمیری کام جاری ہے۔الحمدللہ ثم الحمدللہ ایک مخیّرہ خاتون نے 126 گز اراضی ٹرسٹ ہذا کو مسجد کے لئے وقف کیا ہے، اللہ تعالیٰ مخیّرہ کو دونوں جہاں میں بہترین بدلہ دے، آمین۔مسجد الٰہی کی زمین مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم وادیٔ عمر شاہین نگر حیدرآباد کا (اقامتی وغیر اقامتی) ادارہ ہے، جو شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ کے زیر انتظام 2017 سے خدمات انجام دے رہا ہے، بالکل اسی سے متصل ہے۔مدرسہ ہذا اور بستی کے لئے مسجد ناگزیر ہے،اس وجہ سے آپ تمام حضرات سے گزارش کی جاتی ہے کہ مسجد ہذا کے تعمیری کام میں نقد یا اشیاء کے ذریعہ معائنہ کر کے حصہ لے کر ثواب دارین حاصل کریں۔

جزاك الله خيرًا أحسن الجزاء.

Bank Name : IDBI **A/c Number** : 1327104000065876
A/c Name : SHIBLI INTERNATIONAL EDUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST
IFSC Code : IBKL0001327. Branch: Charminar
G Pay & Phone Pay : 8317692718, WhatsApp: 9392533661

العارض: حافظ وقاری مفتی ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی خطیب مسجد عالیہ، بانی وناظم مدرسہ ہذا چیرمین شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد